اسلام اور ملکیت زمین

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ھُوَ النَّاصِرُ

اسلام اور ملکیت زمین

اِس وقت پاکستان اور ہندوستان کی مختلف سیاسی پارٹیوں میں طاقت حاصل کرنے کے لئے ایک رسّہ کشی جاری ہے۔ دوسرے ملکوں کا تو یہ قاعدہ ہے کہ پارٹیاں بعض اصول کیلئے بنائی جاتی ہیں اور ان اصول کے ماننے والے اُن میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں کوئی پارٹی طاقت پکڑتی جاتی ہے وہ اپنے تجویز کردہ اصول کو ملک میں جاری کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ شروع شروع میں دوسری پارٹیوں سے مل کر اور جب اُسے اتنا اقتدار حاصل ہو جائے کہ وہ منفردانہ طور پر اپنے اصول کو ملک میں جاری کر سکے تو پھر بلا اشتراک غیرے وہ اپنے تجویز کردہ اصول کو قانون کی شکل میں بدل دیتی ہے لیکن ہندوستانی ممالک میں بدقسمتی سے پارٹیاں پہلے بنتی ہیں اور اصول بعد میں تجویز کئے جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان و ہندوستان میں زیادہ تر پارٹیوں کی بنیاد مذہب پر ہے مذہب ابھی تک اس برصغیر میں ایک متحرک اور قوی طاقت ہے۔ عوام الناس کی اکثریت مذہب پر عمل کرے نہ کرے وقتی طور پر اگر جوش میں آتی ہے تو مذہب کے نام سے ہی آتی ہے۔ اِس لئے جب کبھی کوئی تحریک اِس برصغیر میں اُٹھتی ہے تو اِس کا محرک مذہب ہی ہوتا ہے گو شکل اُسے سیاسی دے دی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی سیاسی تحریک بھی اُٹھے تو بعد میں وہ مذہبی رنگ اختیار کر جاتی ہے۔ جیسے کانگرس جب ہندوستان میں بنائی گئی تو اُس وقت خالص سیاسی تھی بلکہ خالص تمدنی تھی لیکن آہستہ آہستہ وہ ہندو تحریک بنتی چلی گئی اور مسلمان عناصر اِس سے الگ ہوتے چلے گئے۔ خلافت کی تحریک کے زمانہ میں پھر مسلمان اس

میں داخل ہوئے لیکن مجبوری سے یا خوشی سے ایک دو سال کے بعد وہ پھر اس سے الگ ہو گئے۔
ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو کانگرس حقیقی طور پر ایک سیاسی تحریک بن چکی تھی مگر چونکہ اُس میں ایک بہت بڑی اکثریت ہندوؤں کی تھی ہندو مذہبی رہنماؤں نے اِس کو اپنا آلۂ کار بنانا آسان امر سمجھا اور ایسے لوگ بھی کانگرس میں شامل ہو گئے جو حقیقتاً سیاسی نقطۂ نگاہ نہیں رکھتے تھے بلکہ مذہبی یا نسلی نقطۂ نگاہ رکھتے تھے۔ حقیقی سیاسی نقطۂ نگاہ رکھنے والے ہندوؤں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس دوسرے گروہ کی نجی گفتگوؤں کو سن سن کر مسلمان چوکنے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی ایک الگ انجمن بنالی جو مسلم لیگ کہلائی۔ مسلم لیگ کی بنیادی ضرورت صرف اِتنی تھی کہ ہندوستان کی طاقت پکڑنے والی سیاسی انجمنوں کی کوششوں کے نتیجہ میں ہندوستان کی سیاسی طاقت ہندوؤں کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اُن ہندو کہلانے والے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں جو درحقیقت سیاسی تربیت رکھنے کی وجہ سے ہندوستانی ہیں ہندو نہیں بلکہ اُن ہندوؤں کے ہاتھ میں جو پس پردہ کانگرس پر اپنا جال ڈال رہے ہیں اور آہستہ آہستہ کانگرس کو اپنا آلۂ کار بنا کر اپنی سکیم کو ملک میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کانگرس کی طرح مسلم لیگ کا بھی کوئی معیّن سیاسی پروگرام نہیں ہوسکتا تھا۔ کانگرس کا سیاسی پروگرام یہ تھا کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں اختیارات آجائیں۔ ابتدائے کار میں اِس کو اِس سے غرض نہ تھی کہ اختیار کن کے ہاتھ میں آئے، قدیم الخیال لوگوں کے ہاتھ میں یا آزاد خیال لوگوں کے ہاتھ میں یا سوشلسٹ لوگوں کے ہاتھ میں یا کمیونسٹ لوگوں کے ہاتھ میں، اُس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ملک آزاد ہو۔ پھر جو طاقتور ہو اختیارات سنبھال لے۔ مسلم لیگ کا بھی کوئی سیاسی پروگرام نہیں تھا۔ مسلم لیگ کی غرض بھی یہی تھی کہ جب ملک میں طاقت آئے تو مسلمان کو بھی اُس کا حصہ ملے۔ ہندوستانی سے مراد ہندو نہ ہو بلکہ اُسی طرح مسلمان مراد ہو جس طرح ہندو مراد ہو۔ باقی رہا سیاسی پروگرام سو مسلمانوں میں سے جو طاقت اُس وقت غالب ہو وہ اختیارات کو سنبھال لے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ ہمارے ملک کا اصلی نظریہ مذہبی ہے اِس لئے لازمی نتیجہ اِن تحریکوں کا یہ ہوا کہ ہندوستانی کی تعریف ہندو سے بدلتی چلی گئی اور مسلم کی جگہ پر اسلام آگے آتا چلا گیا۔ حقیقتاً تو مذہب آگے نہیں آیا لیکن مذہب کو حالات نے آگے دھکیل دیا۔ مجھے اِس سے سروکار نہیں کہ اِس تحریک کے نتیجہ

میں ہندو مذہب کو کوئی فائدہ پہنچا یا نہیں یا اسلام کو کوئی فائدہ پہنچا یا نہیں لیکن ظاہری صورت یہی ہوگئی کہ ایک طرف ویدک تہذیب کی بلندی کے نعرے لگنے لگ گئے اور دوسری طرف اسلام زندہ باد کا آوازہ بلند ہونے لگا۔ ہندوؤں کا مذہب چونکہ کسی معیّن صورت میں باقی نہیں، جو لوگ ہندو مذہب کی تائید میں جدوجہد کرنے لگے اُن کی کوششیں بجائے ہندو مذہب کی مضبوطی کے اسلام کی تخریب میں خرچ ہونے لگیں۔ کیونکہ جب کوئی عمارت ہو ہی نہ تو اُس کی مرمت اور اصلاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں انسان صرف یہی کرسکتا ہے کہ اپنے مدّمقابل کے مکان کو گرانے کی کوشش کرے۔ لیکن مسلم لیگ کی کوششوں کے نتیجہ میں جو اسلام زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے اِس سے مسلم عوام کے دل میں یہ احساس پیدا ہونا شروع ہوگیا کہ اب اسلامی احکام کو اُس علاقہ میں جاری کیا جائے گا جو مسلمانوں کے قبضہ میں آئے گا۔ مسلمان اسلام سے غافل تھا، مسلمان اسلام کی پابندی چھوڑ چکا تھا، اکثر مسلمانوں نے قرآن کا نام سنا تھا اُسے کھول کر دیکھا نہیں تھا، مسجدیں خالی پڑی تھیں، زکوٰۃ جن جن پر واجب تھی وہ اُس کے دینے سے گریز کرتے تھے، سُود کا عام رواج ہو رہا تھا، حج کو وہ لوگ تو نہ جاتے تھے جن پر حج فرض تھا ہاں اُن لوگوں میں سے کچھ تعداد جاتی تھی جن پر حج فرض نہیں تھا لیکن اسلام کی محبت مسلمان میں باقی تھی اُس کی عظمت کا وہ قائل تھا۔ وہ اُس پر متواتر عمل کرنے کو تیار نہ تھا لیکن ہنگامی طور پر اُس پر جان دینے پر آمادہ تھا۔ وہ عملاً تو اسلام پر قائم نہ تھا لیکن اُس کے دل کی گہرائیوں میں یہ احساس موجود تھا کہ اسلام پر عمل کرنا اُس کے لئے دینی و دُنیوی طور پر اچھا ہوگا۔ وہ ایک افیون کے نشہ میں مبتلا آدمی کی طرح جو ایسے گھر میں پڑا ہو جس میں آگ لگ چکی ہو خود اپنی کوشش سے تو اپنی حالت کو بدل نہیں سکتا تھا لیکن اُس کے اندر یہ خواہش ضرور تھی کہ کوئی مجھے اُٹھا کر محفوظ جگہ پر ڈال دے۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ مجھ سے کوئی حکومت جبراً اسلام پر عمل کروانے لگے۔ غرض قوتِ عمل اُس کی بیکار تھی لیکن ارادۂ نیک ابھی زندہ تھا۔ مسلمانوں میں سے سیاسی اقتدار حاصل کرنے والے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ جس طرح ہندو مسلمانوں کے خلاف کچھ قانون بنا کر اپنی قوم میں سچا ہندو کہلا سکتا ہے اس طرح ہم ہندوؤں کے خلاف کوئی قانون بنا کر سچے مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ ہندو مذہب ایک خیالی چیز ہے اسلام ایک حقیقت ہے۔

خیالی معشوق اور حقیقی معشوق میں فرق ہوتا ہے۔ ایک شاعر اپنے خیالی معشوق کی موجودگی میں دنیا کے سارے کام کرتا ہے مگر ایک نوجوان حقیقی عشق کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد دنیا کے سب کاموں سے محروم ہو جاتا ہے پس مسلمانوں کے سیاسی رہنماؤں میں سے جو مذہبی رنگ رکھتے تھے اُنہوں نے تو اپنے جذبات کے ماتحت یہ فیصلہ کر لیا کہ پاکستان میں کسی نہ کسی رنگ اسلامی قانون جاری کرنا ہوگا اور جو مذہبی رنگ نہیں رکھتے تھے اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ پاکستان میں جو بھی قانون جاری کیا جائے اُسے اسلامی رنگ دینا ضروری ہوگا خواہ ہو بھیڑ یا مگر بھیڑ کی کھال اُسے پہنانا ضروری ہے ورنہ عوام الناس مسلمان اُسے قبول نہ کریں گے۔

یہ مختلف خیالات کے لوگ مسلم لیگ میں یا دوسری اسلامی سوسائٹیوں میں ہنگامی طور پر اِس لئے شامل ہو گئے تھے کہ ہندو مسلمان میں کشمکش پیدا ہو رہی تھی اور وہ بھی مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے اِس کشمکش کے اثرات سے بچ نہیں سکتے تھے۔ لیکن جب پاکستان بن گیا تو مختلف لوگوں کے مختلف سیاسی نظریے پھر روشن ہونے لگے، پھر ان کے مٹے ہوئے نقوش اُبھرنے لگے لیکن اُنہوں نے دیکھا کہ پاکستان کی جنگ اسلام ہی کے نام سے لڑی گئی ہے اور اِسی کے نام کی برکت سے فتح کی گئی ہے۔ اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ اسلام ایک معین اور ایک مفصل تعلیم رکھتا ہے اِس کو بالکل پیچھے نہیں دھکیلا جا سکتا۔ محض سیاسی نظریوں کو پیش کر کے اِس کا اثر مسلمانوں کے دلوں سے محو نہیں کیا جا سکتا پس اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عوام الناس اسلام کے نام پر جان دیتے ہیں مگر قرآن و حدیث کو نہ انہوں نے پڑھا نہ اُس کی تعلیم انہیں معلوم ہے اس لئے اپنے نظریوں کا نام اسلام رکھ دو اور یہ شور مچا دو کہ اسلامی تعلیم کو پاکستان میں جاری کرنا چاہیے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام الناس کے جوش بھڑکیں گے نہیں۔ جہاں تک اس تعلیم کو لوگوں میں مقبول عام کیا جا سکے گا وہ تعلیم بغیر مذہبی مخالفت کے پاکستان کے سیاسی پروگرام کا جزو بن جائے گی۔ یہ مرض اتنی بڑھی کہ پاکستان کے کمیونسٹ بھی ''اسلام خطرے میں ہے'' کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ اپنی نجی گفتگوؤں میں وہ اسلام پر تمسخر اُڑاتے ہیں اور اسلام کو ایک فرسودہ مذہب قرار دیتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر سٹالن ان کے نزدیک زیادہ شان رکھتا ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) اور اسلام سے کمیونزم کے اصول ان

کے نزدیک زیادہ شاندار ہیں لیکن کمیونزم کے معروف اصول کے ماتحت وہ کمیونسٹ تعلیم کو اسلامی تعلیم قرار دے کر پاکستانی عوام میں اِس کو مقبول بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چونکہ اس کی ظاہری شکل ایسی ہے کہ موجودہ اکثریت اِس کے حق میں چلی جاتی ہے اس لئے اسلام کے نام کی وجہ سے عوام الناس اِن کے بعض اصول کو اپنا لیتے ہیں اور جب دوسرے سیاسی لیڈر یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں فلاں نظریہ عوام میں بہت مقبول ہو گیا ہے تو وہ بھی اس نظریے کو اپنانا اپنی کامیابی کے لئے ضروری سمجھ لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی مسائل میں سے ایک **ملکیتِ زمین** کا مسئلہ ہے۔

کمیونسٹ تحریک نے مختلف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ شامل ہو کر یہ آواز بلند کرنی شروع کی ہے کہ زمین کی ملکیت کے متعلق ہمارے ملک میں اصلاح کی ضرورت ہے اور جو اصلاح انہوں نے تجویز کی ہے وہ تفصیلاً وہی ہے جو کمیونزم نے تجویز کی ہے لیکن پاکستان کے عوام الناس کے احساسات کا خیال رکھتے ہوئے اس کا نام اسلامی اصلاح رکھا گیا ہے۔ بعض نے تو اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر ایسی شکل دینے کی کوشش کی ہے کہ لوگ اس تحریک کو اسلامی ہی سمجھیں۔ بعض نے بعض اصولی آیات یا احادیث کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے تعامل کو بالکل نظر انداز کر کے کچھ نئے معنی ان آیات اور احادیث کو دے دیئے ہیں جن سے ان کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے اور بعض نے بعض دوسرے طریقے اختیار کئے ہیں جن کی تفصیل میں پڑنے کا یہ موقع نہیں۔ اس پروپیگنڈا سے متأثر ہو کر مسلم لیگ نے بھی زمیندارہ سسٹم کی اصلاح کے متعلق مختلف جگہوں پر کمیٹیاں مقرر کیں۔ بعض جگہ حکومت کے انتظام کے نیچے اور بعض جگہ صرف مسلم لیگ کے انتظام کے نیچے اس مسئلہ پر غور کیا گیا۔ پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور ایسٹ بنگال میں ایسی کمیٹیاں بنی ہیں اور اُنہوں نے اپنی رپورٹیں پیش کی ہیں اور ان رپورٹوں پر غور کرنے کے بعد مرکزی مسلم لیگ نے بھی ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کی رپورٹ پر غور کرنے کے لئے پھر اس نے ایک اور سب کمیٹی مقرر کی اور اس سب کمیٹی کی رپورٹ پر مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے زمیندارہ اصلاح کے متعلق کچھ اصول تجویز کر کے صوبجاتی حکومتوں کو توجہ دلائی کہ ان اصول کو اپنے ملک میں جاری کرنے کی کوشش کریں۔

مسلم لیگ جس نتیجہ پر پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ زمینداری اور جاگیرداری کو جلد ختم کیا جائے۔ مرکزی مسلم لیگ کے بعض ممبروں یا صوبجاتی مسلم لیگوں کے بعض ممبروں میں اگر کوئی اختلاف ہے تو اِس بارہ میں ہے کہ ان دونوں چیزوں کو کس شکل میں ختم کیا جائے یا کس حد تک ختم کیا جائے۔ یعنی کتنی زمین کسی کے پاس رہنے دی جائے یا کتنی قیمت کسی کو دی جائے لیکن اس پر سارے متفق ہیں کہ زمینداری اور جاگیرداری کو ختم کرنا چاہیے۔

جہاں تک حکومت کے نمائندوں کے فیصلوں کا تعلق ہے مجھے اُس پر بحث کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ میں اس کا اہل ہوں کیونکہ سیاسی امور سیاسی لوگوں پر ہی چھوڑ دینے چاہئیں۔ اگر ملک کی اکثریت کوئی قانون بنائے تو اقلیت کا فرض ہے کہ وہ اُس قانون پر عمل کرے۔ ہاں اگر مناسب سمجھے تو آئینی طریقوں سے اس کے بدلوانے کی کوشش کرے۔ پس جہاں تک قانون کا سوال ہے ایک پاکستانی شہری ہونے کے لحاظ سے مجھے حق تو پہنچتا ہے کہ میں اس پر رائے زنی کروں لیکن بوجہ ایک مذہبی آدمی ہونے کے میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ کے اِس حصہ کو میں سیاسی لوگوں پر ہی چھوڑ دوں۔ مگر ایک بات ایسی ہے جس کے متعلق خاموشی کو میں جائز نہیں سمجھتا اور وہ یہ کہ اسلام کے نام پر کوئی ایسی بات کہی جائے جو اسلام سے ثابت نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہر مذہبی آدمی کا فرض ہے کہ وہ اُس وقت اسلام کی تعلیم کو واضح کر دے۔ اس وضاحت کو ماننا یا نہ ماننا یہ دوسرے آدمی کا کام ہے لیکن اس کا واضح کر دینا ایک مذہبی آدمی کا فرض ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے سامنے جواب دِہ ہوگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ زمینداری کا طریق اسلام کے بعد جاری نہیں ہوا بلکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے یہ طریق دنیا میں کسی نہ کسی رنگ میں رائج چلا آتا ہے۔ عرب بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ویران ملک تھا اور اس کی آبادی چند لاکھ افراد پر مشتمل تھی بوجہ صحراؤں اور بیابانوں کی کثرت کے اس میں کھیتی باڑی کم ہوتی تھی مگر پھر بھی کچھ ٹکڑے ایسے تھے جو بہت زرخیز تھے اور ان ٹکڑوں کی آبادی کے لئے چھوٹے چھوٹے قصبے یا شہر ان کے گرد بن گئے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ فرمایا تو اُس وقت ایسے قصبے اور شہر موجود تھے۔ مکہ مکرمہ کے ہمسایہ میں طائف کا علاقہ زمیندارہ علاقہ تھا، طائف سے چل کر مکہ

سے آٹھ دس میل کے فاصلہ تک کھجوروں کے باغات اور کھیتوں کا سلسلہ ممتد تھا اور مکہ کے امراء ان باغوں یا کھیتوں کو خرید کر اپنے لئے گزارہ کی صورتیں پیدا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا مجمل اشارہ ملا تو آپ نے اُسی وقت ایک رؤیا کی بناء پر جس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ آپ ایک کھجوروں والے علاقہ میں ہجرت کر کے گئے ہیں یہ سمجھا کہ طائف اور مکہ کے درمیان جو نخلہ مقام ہے اور جہاں کھجوروں کے بہت سے باغ ہیں شاید آپ ہجرت کر کے وہاں تشریف لے جائیں گے۔ آپ کا وہ اہم سفر جو طائف کی طرف آپ نے اختیار فرمایا وہ بھی اسی تعبیر کے نتیجہ میں تھا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ اگر نخلہ ہی وہ مقام ہے جدھر آپ کو ہجرت کرنی ہوگی تو غالباً طائف کے لوگ آپ پر جلد ایمان لے آئیں گے لیکن خدا تعالیٰ کے علم میں وہ مقام نخلہ نہ تھا بلکہ مدینہ منورہ تھا۔[1] اس لئے طائف کے لوگوں نے بجائے ایمان لانے کے آپ پر پتھر برسائے اور آپ کو سخت ایذائیں دیں۔[2] یمن بھی ایک زرعی ملک ہے، دارالہجرت مدینہ منورہ بھی ایک زرعی علاقہ ہے، بحرین کا علاقہ بھی زرعی ہے اور کئی دوسرے عرب علاقے بھی زرعی ہیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے وقت عرب میں زراعت کی جاتی تھی۔ لوگ زمینوں کے مالک تھے، بڑے مالک بھی اور چھوٹے مالک بھی، اِس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کے سامنے یہ مسئلہ نہیں آیا اس لئے اس نے اس مسئلہ کے متعلق کوئی روشنی نہیں ڈالی یا اس کے متعلق کوئی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ ہمارے نزدیک تو اسلام خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا مذہب ہے اور خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ وہ آئندہ آنے والے امور کے متعلق بھی قرآن کریم میں راہنمائی فرماتا ہے لیکن بعض مادی خیال کے لوگ ایسی دلیلیں بعض دفعہ پیش کر دیا کرتے ہیں کہ فلاں بات اسلام کے وقت میں نہیں تھی اس لئے اسلام میں اس کے متعلق اس تعلیم کا ملنا مشکل ہے۔ ایسے لوگوں کا منہ بند کرنے کیلئے میں کہتا ہوں کہ زمین کی ملکیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائی جاتی تھی اور یہ سوال پوری طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ پس ایسا سوال جو آپ کے سامنے آیا، ایسا معاملہ جو خود آپ کی ذات سے گزرا اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ پیش آیا اُس کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ اسلام نے اس کے بارہ میں کوئی تعلیم نہیں دی یہ گویا اِس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ**

اسلام ایک نامکمل مذہب ہے بلکہ ناقص مذہب ہے جس نے آئندہ زمانوں کے مسائل کو تو کیا حل کرنا تھا اپنے زمانہ کے اہم مسائل کو بھی اِس نے نہ حل کیا نہ چھیڑا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)

اگر اسلام نے اِس مسئلہ کے متعلق کوئی روشنی نہیں ڈالی تو بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہؓ نے زمینوں کے متعلق کوئی نہ کوئی طریق عمل تو اختیار کیا ہوگا کیونکہ اسلام کی حکومت میں زمیندار بستے تھے، اور زمینداروں اور ان کے مزارعوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوتے تھے اور تصفیہ کے لئے وہ حکام کے سامنے پیش بھی ہوتے رہتے تھے۔ اگر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ اسلام نے کوئی تعلیم نہیں دی تھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے کوئی عقلی فیصلہ اسلامی اصول کی روشنی میں اس بارہ میں ضرور کیا ہوگا۔ اور اگر ایسا کوئی فیصلہ کیا تھا تو وہ فیصلہ ہزاروں ہزار مسلمانوں کے عمل میں بھی آیا ہوگا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی چونکہ زمین تھی آپ کے عمل میں بھی آیا ہوگا۔ آپ کے خلفاء کے پاس بھی زمین تھی ان کے عمل میں بھی آیا ہوگا۔ آپ کے صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور بہت سے اکابر صحابہؓ کی زمینداریوں کا ثبوت حدیثوں اور تاریخوں سے ملتا ہے اور انصار تو قریباً سب کے سب زمیندار تھے ان لوگوں کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا لائحہ عمل پیش کیا تھا؟ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی خیبر کی فتح کے بعد زمین آ گئی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کیا طریق عمل پسند فرمایا تھا؟ اس سوال کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ ہم قرآن کریم کی بعض آیات کا غلط یا صحیح مفہوم نکال کر ایک قانون بنا دیں بلکہ ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ قرآن کریم کی اس آیت کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا معنی کئے اور اس پر کس شکل میں عمل کیا۔ کیونکہ یہ مسئلہ صرف اعتقادی نہیں کہ اسے صرف اصولی احکام سے حل کیا جائے بلکہ عملی ہے جس کی تفصیلات پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل کیا اور دوسروں سے عمل کروایا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف طور پر فرماتا ہے۔ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ** [۳] یعنی تو ہمارے پہلے بھیجے ہوئے بزرگوں کے طریق پر عمل کر۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق تھا کہ جب تک

قرآن کریم کا کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا آپ تورات کے بتائے ہوئے طریق اور انبیائے سابق کے عمل کی اتباع فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً قبلہ کا مشہور مسئلہ ہے۔ جب تک قبلہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ آپ خانہ کعبہ کی اُس سمت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے جس سمت میں خانہ کعبہ بھی آپ کے سامنے آجاتا تھا اور بیت المقدس کی مسجد بھی آپ کے سامنے آجاتی تھی۔ اِس ذریعہ سے آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت پر بھی عمل کر لیتے تھے اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی سنت پر بھی عمل کر لیتے تھے۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو چونکہ مدینہ منورہ بیت المقدس اور مکہ مکرمہ کے درمیان میں ہے اور دونوں طرف ایک ہی وقت میں منہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے آخری زمانہ کے انبیاء کا احترام کرتے ہوئے آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی لیکن بعد میں قرآن کریم میں قبلہ کا حکم نازل ہو گیا اور پھر آپ نے خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی۔[۴]

اِسی طرح اور بہت سے مسائل ملتے ہیں جن میں رسول کریم ﷺ نے احکامِ قرآنیہ کے نزول سے پہلے بنی اسرائیل کے انبیاء کے طریق کو اختیار کئے رکھا اور تاریخ اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ بِالارادہ یہ کام کرتے تھے۔ پس جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہے کہ جہاں اور جب تک کوئی نص نہ ملے پُرانے انبیاء کے طریق کو اختیار کر لیا کرو تو کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ اگر بِالفرض کوئی نص قرآن کریم میں موجود نہیں تو ایک مسلمان کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنی عقل سے اپنے لئے رستہ تجویز کرے اور رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے طریق عمل کو نہ دیکھے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت بھی واجب کی ہے اور میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرتے تھے وہ کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت کرتے تھے لیکن فرض کرو کسی کا یہ عقیدہ نہیں تو بھی اُس کو یہ ماننا پڑے گا کہ اگر کسی معاملہ میں اُس کو قرآنی ہدایت نہیں ملتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشاد میں سے اسے اسلام کی اصولی تعلیم کا صحیح مفہوم ملے گا۔ اِس تمہید کے بعد جاگیرداری اور زمینداری کے متعلق جو مختلف سوال پیدا ہو سکتے ہیں یا ہوئے ہیں ان کے متعلق میں قرآن کریم اور حدیث اور ائمۂ اسلام کی

تعلیم اور ان کا تعامل پیش کرنا چاہتا ہوں تا مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کی رائے اس مسئلہ کے متعلق کیا ہے اور کوئی بات اسلام کے نام سے ایسی نہ کہی جائے جس کو اسلام نے پیش نہیں کیا۔

پہلا باب

اِسلام نے ملکیّتِ اشیاء کے متعلق کیا قانون مقرر کئے ہیں؟

دنیا میں بہت سے جھگڑے اِس بناء پر پیدا ہوتے ہیں کہ ملکیت اشیاء کس کی ہے؟ بعض ملکیت حکومت کا حق سمجھتے ہیں، بعض قوم کا، بعض خاندان کا اور بعض فرد کا۔ اور پھر ملکیت کے بعد تصرف اور کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کے متعلق بھی وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض مقبوضہ چیزوں سے نفع اُٹھانے کے غیر محدود حق کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض لوگ محدود حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسلام نے اِس بارہ میں جو تعلیم دی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ [5] یعنی اللہ ہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کو چھ زمانوں میں پیدا کیا اور پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا۔

دوسری جگہ اِسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ [6] یقیناً تمہارا ربّ وہ اللہ ہے جس نے کہ آسمانوں اور زمین کو چھ زمانوں میں پیدا کیا۔ پھر تمام مخلوق کا انتظام کرتے ہوئے وہ عرش پر قائم ہو گیا۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف جگہ پر آیا ہے۔ مثلاً سورۂ لقمان میں، سورۂ زخرف میں، سورۂ زمر میں، سورۂ ہود میں، سورۂ حدید میں اور مختلف اَور سورتوں میں۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ زمین اور آسمان اور جو کچھ اِن میں ہے سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اس لئے اُسی کو حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے متعلق کوئی قانون بنائے اور اس مخلوق کا نظام چلانے کے متعلق کوئی اصول تجویز کرے۔ اِس مضمون کی مزید تشریح کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا [7] یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ جس نے زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ تم سب کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اِس آیت

میں اِس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے بنایا گیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے زمین اور اُس کے ساتھ کی متعلقہ چیزوں کو خدائی قانون کے مطابق فائدہ اُٹھانے کے لئے انسان کو بحیثیت مجموعی بخش دیا ہے۔ اسلام کے مختلف احکام اِسی مسئلہ کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ مثلاً جب جانور ذبح کیا جاتا ہے تو بِسْمِ اللّٰهِ کہی جاتی ہے۔ جس میں اِس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ جانور اصل میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اُس کی اجازت سے میں اِسے ذبح کر رہا ہوں۔ ہر چیز کے کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بھی یہی معنی ہوتے ہیں کہ میں خدا تعالیٰ کی اجازت سے اِس کھانے کو استعمال کرنے لگا ہوں۔ یہ کھانا اصل میں اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور کھانے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہی جاتی ہے۔ یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسے انسان کو کوئی تحفہ دیتا ہے تو اُس کے مقابلہ میں جَزَاکُمُ اللّٰہُ کہا جاتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنی ہیں سب تعریف اللہ ہی کی ہے یعنی یہ تحفہ بھی خدا نے ہی دیا ہے اور باقی سب چیزیں جو مجھے ملتی ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہیں۔ اِسی طرح جب جانور پر سواری کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ [8] یعنی یہ جانور بھی اصل میں خدا کا ہے اور اُسی نے مجھے دیا ہے تا کہ میں اس سے فائدہ اُٹھاؤں۔ تسخیر کے ایک معنی عربی زبان میں یہ بھی ہوتے ہیں کہ کسی کو مفت فائدہ اُٹھانے کے لئے کوئی چیز دینا۔[9] پس اس حکم کے معنی یہی ہیں کہ انسان جب کسی جانور سے فائدہ اُٹھائے تو اقرار کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور یہ عارضی طور پر مجھے فائدہ اُٹھانے کے لئے دیا گیا ہے۔

غرض مختلف احکامِ شریعت کو اوپر بیان کئے ہوئے مضمون کی تشریح کے طور پر اسلام نے بیان کیا ہے اور بار بار ایک مسلمان کے ذہن میں یہ بات راسخ کی گئی ہے کہ ملکیت اشیاء اللہ تعالیٰ کی ہے اِس لئے کہ اُس نے اِن چیزوں کو پیدا کیا ہے اور جو پیدا کرتا ہے وہی چیز کا مالک ہوتا ہے دوسرا مالک نہیں ہوتا۔ دوسرے کی ملکیت مستعار ہوگی یعنی مالک کے دیئے ہوئے حقوق کے مطابق اُس کو حقوق حاصل ہونگے اُس سے زیادہ نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا خدا تعالیٰ کلّی طور پر کسی کو ملکیت دے دیتا ہے؟ تو اس کا جواب بھی

قرآن کریم میں بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نحل میں فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ [10] یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے پس وہ جن کو دوسروں پر رزق میں فضیلت حاصل ہے وہ اپنے غلاموں کو اس طرح اپنے مال کا مالک نہیں بناتے کہ وہ غلام اُن کے ساتھ ملکیت میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں؟ یعنی جو لوگ یہ تعلیم پھیلاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی بعض مخلوق فرشتے، جن یا بُت یا انسان خدائی طاقتیں رکھتے ہیں اور جب اعتراض کیا جائے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاقتیں ان کے سپرد کر دی ہیں ہم اُن سے یہ کہتے ہیں کہ کیا کبھی تم نے بھی ایسا کیا ہے کہ اپنے مالوں میں اپنے غلاموں کو برابر کا شریک کر لو؟ اگر تم نے کبھی ایسا نہیں کیا تو تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ کیونکر خیال کرتے ہو کہ وہ اپنی مملوکہ اشیاء میں دوسروں کو برابر کا شریک کر لے گا۔ اِس قسم کا خیال تو تبھی آ سکتا ہے جبکہ انسان دل میں یہ سمجھتا ہو کہ اصل میں یہ دُنیا خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ نہیں کچھ دوسری ہستیوں کا بھی اِس کے پیدا کرنے میں دخل ہے اور اس لئے وہ اس کی مالک ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلّی ملکیت کبھی کسی دوسرے کو نہیں دیتا۔ اصل ملکیت ہر چیز کی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے دوسروں کی طرف ایک محدود ملکیت منتقل کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام کے نزدیک تمام مخلوقات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ ملکیت اُس کو بوجہ مخلوقات کا خالق ہونے کے حاصل ہوئی۔ جبر یا ورثہ سے نہیں ملی یعنی یہ ملکیت اس کی خالص اور منصفانہ ہے۔ اِس میں کسی اور کی ملکیت کا حق غصب نہیں کیا گیا نہ کسی سے حق مستعار لیا گیا ہے۔ ہاں آگے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بہت حد تک زمین اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیزوں کی ملکیت بخش دی ہے اور جیسا کہ دوسری آیات سے پتہ لگتا ہے ایک حد تک زمین سے باہر کی اشیاء پر بھی اس کو فائدہ اُٹھانے کا حق بخشا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [11] یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لئے آسمانوں میں اور زمین میں جو

کچھ بھی ہے سب کا سب تمہیں مفت فائدہ اُٹھانے کے لئے عطا فرمایا۔ اس میں سوچنے والے لوگوں کے لئے بڑے بھاری نشانات ہیں۔

اس آیت میں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ تو ظاہری طور پر انسان کے سپرد ہے ہی مگر زمین کے اوپر اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اس سے بھی انسان فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور اُٹھاتا ہے اور یہ بات شریعت یا اسلام کے خلاف نہیں۔ دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ انسان کو اپنی علمی ترقی میں صرف زمینی چیزوں پر غور کرنے تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ انسان کی ایجاد کا سلسلہ آسمانی چیزوں تک ممتد ہے۔ نظر آنے والی روشنی کی شعاعیں اور نہ نظر آنے والی شعاعیں اور آسمانی ستاروں کی سرگرمیاں اور اَور کئی چیزیں معلوم اور غیر معلوم اَن گنت ایسی ہیں جن کو انسان غور کر کے معلوم کر سکتا اور اپنے فائدہ کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ پس انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے صرف زمین پر ہی قبضہ نہیں ملا بلکہ زمین سے پیدا ہونے والی یا ان سے پیدا ہونے والی تمام چیزوں پر قبضہ ملا ہے اور ان سب چیزوں کو استعمال کرتے وقت انسان خدا تعالیٰ کا اجیر ہوتا ہے، کامل مالک نہیں ہوتا۔ حتّٰی کہ جس دماغ سے انسان کام لیتا ہے اُس کا مالک بھی خُدا ہے۔ اور اس سے فائدہ اُٹھاتے وقت بھی انسان اپنی کامل ملکیت کی چیز سے فائدہ نہیں اُٹھا رہا ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کی مشروط طور پر دی ہوئی چیز سے ایک مشروط حد تک اور مقید حد تک فائدہ اُٹھا رہا ہوتا ہے۔ اور جس طرح زمین کی تمام چیزیں تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہیں اِسی طرح ان سے آگے نکلی ہوئی تمام چیزیں بھی تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہیں حتی کہ خود تمام انسان بھی ایک رنگ میں تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اسلام کیوں تمام بنی نوع انسان کے ذمہ یہ خدمت لگاتا کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی خدمت کریں۔

درحقیقت یہ ملکیت کا مسئلہ قرآن کریم نے صرف ایک اعتقادی مسئلہ کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اسلامی احکام کی اس میں تشریح اور توضیح کی ہے۔ اسلام کہتا ہے سچ بولو اور اسلام کہتا ہے لوگوں سے سچ بلواؤ۔ ایک انسان کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے۔ آخر خدا کو اس سے کیا واسطہ ہے؟ خدا تعالیٰ اِس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ دنیا بھی مَیں نے پیدا کی، دوسری

مخلوقات بھی میں نے پیدا کیں اور تم کو بھی میں نے پیدا کیا ہے۔ جس طرح دنیا کا ہر ذرہ میں نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے تم کو میں نے دنیا کی باقی مخلوق کے لئے پیدا کیا ہے۔ جس طرح خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا کہہ کر باقی مخلوق کو تمہاری ملکیت بنایا گیا ہے اسی طرح اِس فقرہ سے تم بھی تو دوسرے انسانوں کے مملوک ہو جاتے ہو۔ کیونکہ تمام انسان بھی مَا فِي الْأَرْضِ میں شامل ہیں۔ پس جس طرح زمین کا ہر ذرّہ تمام نوعِ انسان کیلئے ہے اِسی طرح زمین کا ہر فرد تمام بنی نوع انسان کیلئے بلکہ ساری مخلوقات کیلئے ہے اور یہ ملکیت درحقیقت ایک غیر متناہی دائرہ کی صورت میں اِس دنیا میں قائم کی گئی ہے۔ اس وجہ سے ہر ذرّہ اور ہر فرد پر خدا تعالیٰ کی طرف سے حق ہے کہ وہ دوسرے ذرّات اور دوسرے افراد کی خدمت کرے۔ اسلام کی ساری تعلیم اِسی نکتہ کے ماتحت ہے اِس سے باہر نہیں۔ دوسرے مذاہب نے بھی خدمتِ خلق وغیرہ کے مسائل بیان کئے ہیں لیکن اُنہوں نے اِن مسائل کے جواز کی کوئی صورت پیش نہیں کی۔ اسلام نے اِس حقیقت کو بیان کر کے ان تمام احکام کے جائز اور درست ہونے کی دلیل مہیا کر دی ہے۔ ہاں یہ بھی قرآن کریم نے بتا دیا ہے کہ یہ تمام باہمی ایک دوسرے پر ملکیت کے حقوق خدا تعالیٰ کے بیان کردہ قواعد کے ماتحت ہونگے اُن سے باہر نہیں ہونگے کیونکہ ملکیت خدا تعالیٰ کی ہے کسی اَور کی نہیں۔ اور جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے جنسی ملکیت کے علاوہ جو تمام بنی نوع انسان کو دنیا کی تمام اشیاء پر حاصل ہے فردی ملکیت کو بھی تسلیم فرمایا ہے۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ اللہ تعالیٰ نے ہی تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ اگر فردی ملکیت مسلّم نہیں تو کسی شخص کو دوسرے پر رزق میں جائز طور پر فضیلت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

میں نے جو اِن آیات کی تشریح کی ہے میری اِس تشریح کے ساتھ پُرانے ائمہ بھی متفق ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

ان الکل مال اللّٰہ لیس فیه حق لاحد فی الحقیقة لکن اللّٰہ تعالی لما اباح لهم الانتفاع بالارض وما فیها وقعت المشاحة فکان الحکم حینئذ ان لا یهیج احد

مما سبق الیه من غیر مضارة فالارض المیتة التی لیست فی البلاد و لافی فناء ھا اذا عمرھا رجل فقد سبقت یدہ الیھا من غیر مضارة۔ [۱۲]

یعنی جو کچھ بھی اِس دنیا میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا مال ہے۔ حقیقی ملکیت اس میں کسی اَور کو حاصل نہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین اور جو کچھ اس میں ہے اُس سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی ہے اس لئے بوجہ ملکیت کی مشارکت کے اعلان کے باہمی اختلافات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پس اِس مخالفت کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے فرد کے حق کو نقصان پہنچائے بغیر کسی چیز پر پہلے قبضہ کر لے وہ اُسی کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ چنانچہ وہ زمین جو شہری حدود میں نہ ہو اور نہ شہر کے گرد کے علاقہ میں ہو اور کسی کے قبضہ میں نہ ہو جب اُسے کوئی شخص قبضہ میں لے آئے تو اُس کا قبضہ صحیح سمجھا جائے گا اور باوجود اِس کے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت دنیا کی ہر چیز کے تمام انسان مشترک مالک ہیں اُس حصہ پر اُس شخص کی منفرد ملکیت تسلیم کر لی جائے گی اور کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہ ہوگا۔
اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسلام کی مالکیت کے متعلق تعلیم میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو میں نے قرآن کریم سے استدلال کر کے اوپر بتایا ہے۔ اور ان کے نزدیک بھی تمام اشیاء کا مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے ارشاد کے ماتحت کھیتوں اور دوسری چیزوں کی ملکیت فردِ واحد حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ **معنی الملک فی حق الادمی کونہ احق بالا نتفاع من غیرہ** [۱۳] آدمی کے حق میں ملکیت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ دوسرے شخص کی نسبت زیادہ فائدہ اُٹھانے کا شرعاً حقدار ہوتا ہے۔

حدیث کی کتاب ابوداؤد میں آتا ہے۔ **من سبق الی مالم یسبق الیہ مسلم فھولہ** [۱۴] جو شخص کسی ایسی چیز پر قبضہ کر لے جس پر پہلے کسی اور مسلمان نے قبضہ نہیں کیا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اِسی طرح حنفیوں کی مشہور کتاب ھدایہ میں لکھا ہے **من سبقت یدہ الی مال مباح ملکہ** [۱۵] جس نے دوسرے سے پہلے کسی ایسی چیز پر قبضہ کر لیا جس کا کوئی فرد مالک نہیں تو وہی

اُس کا مالک ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ صاحب اِس بارہ میں یہ قید لگاتے ہیں کہ **لایجوز احیاء الارض الا باذن الامـــــام**۔ غیر مملوکہ یا غیر مزروعہ زمین (جس پر اس سے پہلے تاریخی زمانہ میں زراعت نہیں ہوئی) پر اُسی وقت دوسرے شخص کو قبضہ کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے جب کہ امام اِس کی اجازت دے (یا اُن دنوں کی حکومت اس کی اجازت دے تب اس زمین پر قبضہ ہوسکتا ہے)

اوپر کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کی زمین پر قبضہ کرنے کا حق نہیں۔ اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو اور وہ اسے زیر کاشت نہ لاتا ہو یا اور کسی کام میں نہ لاتا ہو یا حکومت کی زمین ہو جو اُفتادہ پڑی ہو تو اُس پر دوسرے لوگوں کو جن کے پاس زراعت کے لئے زمین نہ ہو قبضہ کرنے کا حق ہے بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اِس کی اجازت ہو (یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا استدلال ہے جو اُنہوں نے ایک اصولی حدیث سے کیا ہے اور عقل اس پر شاہد ہے کہ جس جگہ کوئی حکومت ہو اُس جگہ اُس کے قاعدہ کی پابندی لازمی ہے ورنہ فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جاتا ہے) اور یہی قانون زمین کے سِوا دوسری اشیاء کے بارہ میں بھی ہے۔ چنانچہ بخاری میں آتا ہے۔

عن زید بن خالدؓ قال جاء رجل الی رسول اللّٰہ ﷺ فسالہ عن اللقطۃ فقال اعرف عفا صھا ووکاء ھا ثم عرفھا سنۃ فان جاء صاحبھا و الا شانک بھا قال فضالۃ الغنم؟ قال ھی لک او لاخیک او للذئب قال فضالۃ الابل؟ قال مالک ولھا معھا سقاء ھا وحذاوھا ترد الماء وتاکل الشجر حتی یلقاھاربھا۔[۱۶]

یعنی حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا کہ اگر مجھے راستہ میں کوئی گری پڑی چیز مل جائے تو اُس کے بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اُس کے بٹوے کو اور اُس کے منہ باندھنے والے تسمہ کو اچھی طرح پہچان رکھ اور ایک سال تک لوگوں میں اعلان کر۔ اگر اِس عرصہ میں اُس کا مالک تجھے مل جائے تو تُو وہ چیز اُس کے حوالہ کر اور اگر نہ ملے تو پھر اُس روپیہ کو تُو جہاں چاہے خرچ کر لے۔ اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر کوئی

گم شدہ بکری مجھے مل جائے تو اُس کے بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا۔تُو اُسے اپنے قبضہ میں لے لے کیونکہ یا تو وہ تیرے ہاتھ آئے گی یا تیرے کسی بھائی کے ہاتھ میں آئے گی یا کسی بھیڑیئے کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔اُس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** اگر کوئی گُم شدہ اونٹ مجھے مل جائے تو اس کے بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تیرا اونٹ سے کیا واسطہ۔اُس کا پانی اُس کے پاس ہے اور اُس کی ٹانگیں بھی موجود ہیں وہ پانی پی کر اور درختوں کے پتے وغیرہ کھا کر زندہ رہ سکتا ہے یہاں تک کہ اُس کا مالک اُسے ڈھونڈ لے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زمین کے علاوہ دوسری اشیاء کے لئے بھی یہی قاعدہ ہے کہ جس چیز کا مالک کوئی نہ ہو وہ جسے ملے اُس پر قبضہ کر سکتا ہے بشرطیکہ پہلے مناسب جگہوں پر اعلان کر دے لیکن وہ اشیاء جو خود اپنی فکر کر سکتی ہیں اُن پر قبضہ کرنا خواہ اُن کا مالک نظر نہ آتا ہو جائز نہیں۔چنانچہ جب اُس شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا کہ **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** اگر مجھے ایک اونٹ نظر آئے جس کا مالک پاس نہ ہو تو کیا میں اُس پر قبضہ کر لوں؟ تو آپ نے فرمایا اُس کا کھانا (جنگل کے کانٹے) اور اُس کا پانی اُس کے پاس ہے پھر تجھے اُس سے کیا کام۔یعنی یہ حکم تو اُن اشیاء کے بارہ میں ہے جن کے ضائع ہو جانے کا ڈر ہے اگر مالک اُن کا وقت پر نہ پہنچے گا تو وہ ضرور ضائع ہو جائیں گی اِس لئے جس کو مل جائیں وہ اُن پر قبضہ کر لے۔ اگر اُن کو کچھ عرصہ تک سنبھال کر رکھا جا سکتا ہو تو سنبھال کر رکھا جائے اور اُن کے بارہ میں اعلان کیا جائے اگر پھر بھی مالک نہ ملے تو اپنے کام میں لایا جائے۔اگر سنبھال کر نہ رکھا جا سکے مثلاً سڑنے والی اشیاء تو اِس بات کی تسلّی ہو جانے پر کہ اُن کا مالک کہیں چلا گیا ہے اُن کو استعمال کر لیا جائے۔ظاہر ہے کہ زمین ان چیزوں میں سے نہیں کہ اس کا ضائع ہونے کا ڈر ہو اس لئے اس کے بارہ میں وہی قانون جاری ہوگا جو اونٹ کے بارہ میں ہے کہ جب اونٹ خود اپنی حفاظت کر سکتا ہے تو مالک کا پاس نہ ہونا دوسرے کو اُس پر قبضہ کر لینے کا حق نہیں دیتا۔ہاں چونکہ اس کے بیکار پڑا رہنے سے ملک کو نقصان پہنچتا ہے اِس لئے حکومت کو حق ہے کہ مالک کو نوٹس دے کہ زمین کو آباد کرے۔اگر وہ پھر بھی آباد نہ کرے تو وہ اُسے دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دے۔گو میرے نزدیک اُس وقت بھی حکومت کا فرض ہوگا کہ اُس کی مناسب قیمت مالک کو دے یا کوئی

مناسب سمجھوتہ مالک اور نیا قبضہ کرنیوالے لوگوں میں کروا دے۔

میری دلیل اِس بارہ میں یہ ہے کہ بلال بن حارث مزنی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو زمین ملی تھی جب وہ اُس کو آباد نہ کر سکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے وہ زمین چھینی نہیں بلکہ اُنہیں بُلا کر سمجھایا اور آخر اُن کی اِس شرط کو قبول کر لیا کہ میں زمین تو چھوڑتا ہوں لیکن اس زمین کی کانیں سب میری ملکیت ہونگی۔ [۱۷] اِس حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ حکومت کی اپنی عطا کردہ اُفتادہ زمین کو بھی حکومت مُلک کی اقتصادی حالت کے درست کرنے کے لئے واپس تو لے سکتی ہے لیکن اُسے مالکوں سے معاہدہ کرنا پڑے گا جبراً ایسی زمین حاصل نہیں کر سکتی۔

ملکیت زمین کے متعلق آئمہ اہل تشیع کا بھی وہی خیال ہے جو اہل السنّت کا ہے۔ چنانچہ فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ میں جو اہل تشیع کے نزدیک حدیث کی ویسی ہی مستند کتاب ہے جیسی اہل السنّت کے نزدیک بخاری اور مسلم ہیں یہ حدیث آتی ہے کہ **عن معاویة بن وھب قال سمعت ابا عبداللّٰہ یقول........... ان الارض للّٰہ ولمن عمرھا** یعنی معاویہ بن وہب کہتے ہیں یعنی امام ابوعبداللہ علیہ اسلام سے سنا کہ زمین کا اوّل مالک اللہ ہے اور اس کے بعد وہ شخص مالک ہے جس نے اُسے آباد کیا ہے۔ پس اس سوال کے متعلق کہ آیا افراد زمین کے مالک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تمام مسلمان فرقے متفق ہیں اور اُن کا یہ فیصلہ ہے کہ افراد زمین کے مالک ہو سکتے ہیں مگر وہ ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوگی کیونکہ اصل مالک وہ ہے۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے تو کیا حکومت کو جو خدا تعالیٰ کی ظل ہے اِس بات کا اختیار حاصل نہیں کہ وہ ملکیت زمین کے متعلق کوئی نیا قانون جاری کر دے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ ظلّی حکّام کی حکومت اُس طرح محدود ہوتی ہے جس طرح ظلّی مالک کی ملکیت محدود ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول نے جہاں ظلّی مالکوں کے لئے کچھ قیود مقرر کی ہیں وہاں ظلّی حاکموں کے لئے بھی اُس نے کچھ قیود مقرر کر دی ہیں اور وہ قیود یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور **السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ** کے فیصلہ کے خلاف کوئی نیا قانون جاری نہیں کیا جا سکتا اور زمین کا معاملہ ایسا ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ کا فیصلہ بھی موجود ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی موجود ہے اور خلفائے اربعہ اور ائمہ صحابہ کا فیصلہ بھی

موجود ہے۔ اس صورت میں کسی حکومت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ظل اللہ قرار دے کر کوئی نیا قانون بنا دے۔ وہ اُن امور میں بے شک نئے قانون بنا سکتی ہے جن کے متعلق خدا اور اس کا رسول اور السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ صحابہؓ خاموش ہیں لیکن اُن امور کے متعلق وہ کوئی نیا قانون نہیں بنا سکتی جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے کوئی روشنی ڈالی ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے سامنے وہ معاملات پیش ہوئے ہیں اور اُنہوں نے اُن کے متعلق اصولی یا جزوی فیصلے کئے ہیں۔ اگر ظلّی حکّام کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ خدا اور اُس کے رسول اور اکثریت صحابہ کے فیصلوں کو ردّ کر کے کوئی نیا فیصلہ جاری کر دیں تو پھر ظلّی مالکوں کو بھی حق ہے کہ وہ اُن تمام حد بندیوں اور قیود کا انکار کر دیں جو خدا اور رسول اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے اُن پر عائد ہیں۔ ظل بہر حال اصل کے تابع ہوتا ہے وہ حاکم ہو یا مالک اُس کی حکومت بھی محدود ہے اور اُس کی مالکیت بھی محدود ہے۔ یہ میں آگے چل کر تفصیل سے بیان کروں گا کہ اِس بارہ میں خدا اور اُس کے رسول اور اکثریت صحابہؓ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔

دوسرا باب

کیا زمین کو اسلام نے فردِ واحد کی ملکیت اُن معنوں میں قرار دیا ہے جن معنوں میں کہ دوسری چیزوں کی ملکیت ہوتی ہے؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو آیات اوپر لکھی گئی ہیں ان میں زمین اور غیر زمین میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ ان آیات میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ ہر چیز خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس لئے ہر مخلوق خدا تعالیٰ کی مِلک ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ زمین کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے بخشی ہے۔ اوپر کی آیت میں جو ارض کا لفظ ہے اُس سے مراد کھیتی نہیں بلکہ کرۂ ارض ہے اور اُس میں سے نکلی ہوئی چیز کے معنی سبزی، ترکاری یا غلّہ نہیں بلکہ کرۂ ارض کے اوپر یا نیچے ہر ایسی چیز جس پر انسان قبضہ کر سکتا ہے مراد ہے۔ بلکہ اس زمین سے نکلی ہوئی چیزوں سے جو چیز آگے بنائی جائے وہ بھی مراد ہے کیونکہ کسی کی دی ہوئی لکڑی سے، کسی کے دیئے ہوئے ہتھیاروں کی مدد سے، کسی کے دیئے ہوئے ہاتھ اور دماغ کے ذریعہ سے جو چیز بنے گی اُس کا مالک بھی وہی ہوگا جس کی لکڑی تھی، جس کے ہتھیار تھے، جس نے ہاتھ اور دماغ بنایا تھا۔ پس خدا تعالیٰ صرف کھیتوں ہی کا مالک نہیں بلکہ خدا تعالیٰ روئی کا بھی مالک ہے، لکڑی کا بھی مالک ہے، لوہے کا بھی مالک ہے، جڑی بوٹیوں کا بھی مالک ہے، جنگل کے پتھروں کا بھی مالک ہے، اُس کی ریت کا بھی مالک ہے اور جب اُس نے ان چیزوں کی ملکیت تمام بنی نوع انسان کو مشترکہ طور پر عطا فرمائی تو صرف کھیتوں ہی کی ملکیت تمام انسانوں کو عطا نہیں فرمائی بلکہ دریاؤں کی ملکیت بھی تمام بنی نوع انسان کو عطا فرمائی۔ پہاڑوں اور اُن کی برفوں اور اُن کے درختوں اور اُن کے پھولوں اور اُن کی بوٹیوں اور اُن کے اندر

چھپی ہوئی کوئلہ کی کانوں، سیسہ کی کانوں، تانبے کی کانوں، ہیرے اور جواہرات کی کانوں اور اِسی طرح زمین کے صحراؤں، پانی کے نیچے کی مچھلیوں، ہوا کے پرندوں اور تمام باقی چیزوں کی ملکیت بھی عطا فرمائی۔ بنی نوع انسان مشترک طور پر صرف کھیتی ہی کے مالک نہیں بلکہ پرندوں کے بھی مالک ہیں۔ تمام اُن دواؤں کے بھی مالک ہیں جو کہ بوٹیوں سے تیار کی جاتی ہیں، تمام اُن مشینوں کے بھی مالک ہیں جو کہ لوہے سے بنائی جاتی ہیں۔ تمام اُن اشیاء کے بھی مالک ہیں جو خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ لکڑیوں سے بنائی جاتی ہیں۔ غرض دنیا میں جس چیز پر کوئی قبضہ کر سکتا ہے یا جس چیز کی کوئی قیمت پڑ سکتی ہے ایسی ہر چیز کے تمام بنی نوع انسان مشترک طور پر مالک ہیں۔ آگے خاص حالات میں اس مشترک ملکیت کو مقید کر دیا گیا ہے اور ایک خاص دائرہ میں شخصی ملکیت کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن قرآن شریف کی کسی آیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں کارخانوں میں بننے والی چیزوں یا زمین کے اندر سے نکالی جانے والی چیزوں یا جنگل میں اُگنے والی چیزوں یا تجارت سے حاصل ہونے والے مالوں یا دریاؤں کے نیچے سے نکلنے والی چیزوں اور کھیتوں کی ملکیت میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ خدا تعالیٰ یکساں مالک ہے کھیتوں کا بھی، پہاڑوں کا بھی، دریاؤں کا بھی، کارخانوں کا بھی اور تمام بنی نوع انسان یکساں مالک ہیں اِن تمام چیزوں کے۔ اور فرد اِن چیزوں میں سے جتنے حصّہ کا مالک ہے اُس کو ایک ہی قسم کے حقوق حاصل ہیں خواہ وہ کھیتی کا مالک ہو، خواہ کارخانے کا مالک ہو یا کانوں کا مالک ہو یا تجارتی گوداموں کا مالک ہو یا گورنمنٹ سے حاصل ہونے والی تنخواہ کا مالک ہو۔

تیسرا باب

زمین کی ملکیت کو اسلام نے جن معنوں میں تسلیم کیا ہے اُن کے رُو سے وہ زمین کے مالک کو کیا کیا حق دیتا ہے؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت زمین کے مالک کو ویسے ہی تمام حقوق دیتی ہے جیسا کہ وہ کارخانوں کے مالک کو دیتی ہے یا تجارتی کوٹھیوں کے مالکوں کو دیتی ہے یا کانوں کے مالکوں کو دیتی ہے یا جڑی بوٹیوں یا جنگلوں کے خریدنے والوں کو دیتی ہے اس میں اسلام کوئی فرق نہیں کرتا۔ ان تمام قسم کی ملکیتوں کے متعلق اسلام کی طرف سے مندرجہ ذیل قیود عائد ہیں:۔

اوّل: اصل مالک خدا ہے۔ اُس کی ملکیت بہر حال قائم رہے گی یعنی خدا تعالیٰ جتنا چاہے فردِ واحد کی ملکیت کو مقید کر سکتا ہے۔

دوم: کوئی ملکیّت ایسی شکل میں نہیں آ سکتی کہ وہ ملکیت اپنی ذات میں دوسروں کے حقوق پر اثر انداز ہو۔ مثلاً زمین کی ملکیت کو لے لو۔ کوئی شخص پانی کو زمین پر چلنے سے نہیں روک سکتا، افراد کو جائز طور پر زمین پر چلنے سے روک نہیں سکتا۔ جائز طور پر چلنے کے معنی یہ ہیں کہ جو پگڈنڈیاں بنائی جائیں اُن پر چلنے سے روک نہیں سکتا یا بغیر نقصان کے کھیتوں میں سے چلنے والے کو روک نہیں سکتا۔ یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص زبردستی کسی کے کھیت کو تباہ کرنا چاہے تو وہ اُس کو بھی روک نہیں سکتا۔ کوئی شخص غیر محدود زمانہ تک زمین کو اُفتادہ نہیں رکھ سکتا۔ اگر زمین پر کام کرنے والے لوگ موجود ہیں تو وہ کام میں آنی چاہئے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ **المسلمون شرکاء فی الماء والکلاء والنار** [۱۸] یعنی لوگوں کو حق نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو پانی سے روکیں یا خودرَو گھاس سے کسی کو روکیں یا آگ لینے سے کسی کو روکیں۔ پس جائز نہیں ہوگا کہ اگر کسی کی زمین میں چشمہ ہو تو وہ وہاں سے پانی لینے سے لوگوں کو روکے یا خودرَو گھاس

ہوتو وہ اُس کے کھانے سے دوسروں کے جانوروں کو منع کرے یا وہ آگ جلائے تو دوسرے لوگوں کو آگ لینے سے منع کرے۔ اِسی طرح علامہ ابن قدامہ اپنی کتاب مغنی میں تحریر فرماتے ہیں۔

المعادن الظاهرة وهى التى يوصل مافيها من غير موونة ينتابها الناس وينتفعون بها كالملح والماء والكبريت والقير والمومياء والنفت والكحل والياقوت ومقاطع الطين واشباه ذلك...... لا تملک بالا حياء ولا يجوز اقطاعها لاحد من الناس ولا احتجار هادون المسلمين لان فيه ضررا بالمسلمين وتضييقا عليهم [۱۹]

یعنی وہ کانیں جن کو کھود کر اور تکلیف سے نکالنا نہیں پڑتا بلکہ وہ سطح زمین پر یا اس کے قریب ہوتی ہیں اور عوام الناس اُن کو کام میں لاتے اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جیسے نمک اور پانی اور گندھک اور کول تار اور مومیائی اور مٹی کا تیل اور سرمہ اور یاقوت اور مٹی لینے کی جگہیں اور اِسی قسم کی چیزیں خواہ کوئی اس زمین پر جائز قبضہ کرے جس میں وہ پائی جاتی ہیں تب بھی یہ اشیاء اُس کی ملکیت نہیں ہوں گی اور کسی بادشاہ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اِن چیزوں کو کسی ایک شخص کے حق میں دے دے یا حکماً اُن کا استعمال مسلمانوں کے لئے روک دے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے نقصان اور تنگی ہے۔

اِسی طرح علّامہ ابن قدامہ مغنی جلد ۴ صفحہ ۳۸۶ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وكذالايجوز احياء ماتعلق به حق العامة كما فى النهر والطريق یعنی اِسی طرح شخصی ملکیت نہروں اور راستوں پر بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فیصلہ اور اس کے بعد علمائے اسلام کے اُس فیصلہ سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی تشریح میں ہے اور خالی عقلی بناء پر نہیں کیا گیا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ملکیت محدود ہے اور بعض امور میں پبلک کے حق میں اُس کو اپنی ملکیت چھوڑنی پڑے گی۔ مثلاً اگر کوئی پہاڑی نالہ کسی کی زمین پر سے گذرتا ہے تو اُس کے پانی کی ملکیت اُس کی نہیں ہوگی فوراً پبلک کی ملکیت ہو جائے گی۔ یا حکومت کی ملکیت ہو جائے گی۔ اِسی طرح کوئی شاہراہ بھی اگر کسی کی ملکیت میں سے گزرتا ہے تو وہ اُس کی ملکیت نہیں ہو سکے گا بلکہ پبلک کا ہو جائے گا۔ اِسی طرح کانیں وغیرہ جو سطح زمین پر ہیں اور اُن کے لئے گہری

کھدائی نہیں کرنی پڑتی وہ بھی پبلک کی ملکیت ہوں گی گو حکومت ان کی منتظم اور نگران ہوگی مگر حکومت بھی اُن کانوں کے آس پاس رہنے والے لوگوں کی روزانہ ضرورتوں سے اُن کو محروم نہیں کر سکتی۔ ہاں جتنا حصہ تجارتی ہوگا وہ حکومت کے قبضہ میں ہوگا۔ اِسی اصل کے ماتحت ہم یہ قانون نکالیں گے کہ اگر کوئی انسان ایسی فصل بوئے جو صحت کے لئے مضر ہو یا اُس کے پھول اور کیڑے اُڑ کر اِرد گرد کی فصلوں کو نقصان پہنچائیں اور اُن کی حیثیت کو ادنیٰ بنادیں تو حکومت ایسے احکام جاری کر سکتی ہے جن کے رُو سے وہ لوگوں کو اِس قسم کی فصل بونے سے روک دے۔ مثلاً جس علاقہ میں عام طور پر امریکن کپاس بوئی جاتی ہے اگر اُس علاقہ میں دیسی کپاس بوئی جائے تو اُس کی وجہ سے امریکن کپاس کی قسم کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور بعد میں اُس کے امتزاج کی وجہ سے باقی لوگوں کی کپاس کی قیمتیں بھی گر جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں حکومت کو یقیناً اختیار حاصل ہے کہ وہ مندرجہ بالا حدیث اور ائمہ کے استدلال پر قیاس کرتے ہوئے حکم دے دے کہ اِس علاقہ میں فلاں چیز کا بونا چونکہ لوگوں کے لئے مضر ہے اس لئے اُس کو نہ بویا جائے۔ لیکن حکومت یہ نہیں کہہ سکتی کہ چونکہ اِس شخص کی ملکیت دوسرے لوگوں کے لئے مضر ہے اس لئے اس کو ملکیت سے محروم کر دیا جائے کیونکہ ملکیت اپنی ذات میں ضرر نہیں پہنچاتی جس طرح کہ غلط کاشت اپنی جگہ میں دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔

اِس حد تک تو میں نے یہ بتایا ہے کہ مالکِ زمین کے حقوق کہاں تک محدود ہیں۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ زمین کے مالک کے حقوق کس حد تک قرآن کریم اور احادیث اور صحابہء کرامؓ اور ائمہ عظام کے فتووں یا عمل سے ثابت ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کو کہا۔ اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ [۲۰] اے آدم تُو اور تیری بیوی دونوں اس باغ میں رہو۔ اِس آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ انسان زمین کا مالک ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور اُن کی بیوی کو ایک باغ کا مالک بنایا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کو کسی جگہ پر رہنے کا اختیار دیا جائے گا دوسروں کو اُس جگہ پر جانے کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک کافر اور ایک مؤمن کی گفتگو ان الفاظ میں بیان

فرماتا ہے۔ وَلَوْ لَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا [۲۱] یعنی مؤمن کافر سے کہتا ہے کہ جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوتا ہے تو تُو یہ کیوں نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سِوا کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں ہے اور تو مجھ پر فخر جتاتا ہے کہ تیرے پاس مجھ سے زیادہ مال ہے اور تیری اولاد مجھ سے زیادہ ہے۔ پس تو یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ مجھے تیرے باغ سے بڑا باغ دے اور تیرے باغ پر آسمان پر سے ایک کنکروں والی آندھی چلا دے اور تیرا باغ اُجڑی ہوئی زمین ہو کر رہ جائے۔ گو یہ ایک مثال ہے لیکن اس سے یہ اصول ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان بڑے بڑے باغوں کا بھی مالک ہو سکتا ہے اور باغ اور زمین میں کوئی فرق نہیں کیونکہ باغ زمین کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

اِسی طرح سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کی قوموں نے جب اُن کو دکھ دیا اور اُن کو دھمکی دی کہ وہ اُنہیں ملک سے نکال دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو الہام کیا کہ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ [۲۲] ہم اپنی ذات ہی کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم کو اِس زمین میں بسا دیں گے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اُن لوگوں کے زمین میں بسانے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور جب ہم پہلی تاریخوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی اُمتوں میں فردِ واحد کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ پس ''ہم بسا دیں گے'' کے الفاظ نے اِس ملکیت کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اِس بات کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ وہ ملکیت خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق تھی اور خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی تھی۔

اِسی طرح سورۂ بنی اسرائیل کے بارہویں رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ ارضِ مقدس میں بس جاؤ۔ [۲۳] اِس بسنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اور جب ہم بائبل سے اس بسنے کی کیفیت معلوم کرتے ہیں تو اس میں زمین کی انفرادی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کی مختلف آیات سے زمینوں اور باغوں کی انفرادی ملکیت کا استدلال ہوتا ہے۔ احادیث بھی اس استدلال کی مؤید ہیں۔ چنانچہ سنن ابوداؤد باب ۲ فی اقطاع الارضین کے نیچے صفحہ ۴۳۷ پر لکھا ہے۔ **عن اسمر بن مضرس قال اتیت النبی** ﷺ **فبایعته فقال من سبق الی مالم یسبق الیه مسلم فهوله** [۲۴] یعنی حضرت اسمرؓ فرماتے ہیں مَیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ کی بیعت کی۔ اُس وقت میں نے سُنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے کہ جس زمین پر کسی مسلمان کا قبضہ نہیں جو مسلمان بھی اُس پر قبضہ کرے وہ اُسی کی ملکیت ہو جائیگی۔

اسی طرح بخاری کتاب المزارعۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **من اعمر ارضالیست لاحد فھوا حق** ۔[۲۵] جو شخص کسی ایسی زمین پر قابض ہو جائے جو کسی اَور کی نہیں تو وہی اُس کا جائز مالک ہوگا۔ اِس حدیث سے ثابت ہے کہ جو زمین آپ کے زمانہ میں کسی کی مملوکہ تھی آپ نے اُس کی ملکیت کو جائز قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ ایسی زمینوں پر قبضہ کرو جن کے دوسرے مالک نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کے مطابق حضرت عمرؓ سے بھی ایک اثر ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ **قال عمر من احیا ارضا میتة فھی له** [۲۶] جو شخص کسی ایسی زمین پر قبضہ کرے جس پر کوئی مسلمان قابض نہیں تو وہ اُس کا مالک قرار دیا جائے گا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارضِ موات جس پر قبضہ کرنا جائز رکھا گیا ہے وہ کیا چیز ہے؟ اور آیا اُس پر قبضہ کرنے کی کوئی شرائط بھی ہیں یا نہیں؟ سو اِس کا جواب یہ ہے کہ ارضِ موات سے مراد سرکاری زمینیں ہیں نہ کہ افراد کی زمینیں اور نہ وہ زمینیں جو کہ شہروں اور قصبات کے اِردگرد ہوتی ہیں اور زمینداروں کی مشترک ملکیت ہوتی ہیں۔ اُنہیں کاشت میں نہیں لایا جاتا مگر وہ چراگاہوں کے طور پر، کھیل کے میدانوں کے طور پر، یا سوختنی لکڑیوں کے جنگلوں کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ چنانچہ کتاب **بدائع الفقة الحنفیه** میں لکھا ہے **الاراضی فی الاصل نوعان ارض مملوكة وارض مباحة غير مملوكة والمملوكة نوعان عامرة وخرابوالمباحة نوعان ایضا۔ نوع ھو من مرافق البلدة محتطبا لھم و مرعی**

لمواشیھم ونوع لیس من مرافقھا وھو مسمی بالموات [۲۷] یعنی زمین درحقیقت دو قسم کی ہوتی ہے ایک مملوکہ اور ایک غیر مملوکہ۔ مملوکہ بھی آگے دو قسم کی ہوتی ہے آباد اور غیر آباد۔ اور غیر مملوکہ بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو کہ شہروں کے پاس ہو اور شہری لوگ اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہوں یا اُس سے لکڑیاں لیتے ہوں یا اُن کے جانور اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہوں اور ایک غیر مملوکہ وہ ہوتی ہے جو شہروں سے دُور ہوتی ہے اور لوگ اُس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور اُسی کو موات کہتے ہیں۔

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ **الموات کل ارض اذا وقف علی ادناھا من العامر مناد باعلی صوتہ لم یسمع اقرب الناس الیھا فی العامر** [۲۸] یعنی موات وہ زمین ہے کہ اُس کا جو حصہ شہر سے قریب ترین ہو اُس پر کھڑے ہو کر اگر کوئی اونچی آواز والا آدمی نہایت بلند آواز سے بولے تو شہر میں سے جو حصہ اُس جانب سب سے قریب ہے وہاں کے لوگ بھی اُس کی آواز نہ سن سکیں۔

اِن حوالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مملوکہ زمین تو کسی صورت میں بھی موات نہیں کہلاتی اور غیر مملوکہ زمین بھی اُسی وقت موات کہلاتی ہے جس پر قبضہ کر لینے کا افراد کو حق دیا گیا ہے یا لوگوں میں تقسیم کرنے کا حق دیا گیا ہے جبکہ وہ زمین شہروں سے اتنے فاصلہ پر ہو کہ شہر کی ضرورتوں کو اُس کے تقسیم کر دینے سے نقصان نہ پہنچتا ہو۔ گویا حنفی علماء کے نزدیک افراد کا قبضہ کر لینا تو الگ رہا حکومت بھی ایسی زمین کو تقسیم نہیں کر سکتی جس کا آزاد چھوڑنا کسی شہر یا قصبہ کیلئے ضروری ہو۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو فرد کسی صورت میں بھی ایسی غیر مملوکہ اور سرکاری زمین پر بغیر حکومت کی اجازت کے قبضہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ **لایجوز احیاء الارض الا باذن الامام لقولہ ﷺ لیس لاحد الا ماطابت بہ نفس امامہ** [۲۹] یعنی لاوارث اور غیر مملوکہ زمین پر قبضہ کرنا بھی بغیر حکومت کی اجازت کے جائز نہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی سرکاری چیز کا مالک نہیں ہو سکتا جب تک کہ امام خوشی سے اُس کو بخش نہ دے۔

چوتھا باب

اسلام نے زمین کی ملکیت کا حق کن کن اصول پر دیا ہے؟

یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ اسلام میں زمین کی ملکیت جائز ہے اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ زمین کی ملکیت اُسی حد تک جائز ہے جس حد تک کہ اموالِ تجارت یا پیشوں یا نوکریوں کی آمدنیوں کی ملکیت جائز ہے یعنی جو حق ایک پیشہ ور کو اپنے پیشہ کے متعلق ہے، ایک تاجر کو اپنی تجارت کے متعلق ہے، ایک صنّاع کو اپنی صنعت کے متعلق ہے وہی حق ایک زمیندار کو اپنی زمین کے متعلق ہے اور جن معنوں میں کہ زمین خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے اُنہی معنوں میں اموالِ تجارت اور صنعت و حرفت سے تیار کئے ہوئے اموال اور پیشوں سے حاصل کئے ہوئے مال اور نوکریوں سے حاصل کئے ہوئے مال بھی خدا تعالیٰ کی ملکیت میں شامل ہیں۔ اور زمینوں کے متعلق وہی قوانین بنائے جاسکتے ہیں جو ان دوسری چیزوں کے متعلق بنائے جاتے ہیں ان دونوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ اب میں یہ بتا تا ہوں کہ اسلام نے زمین کی ملکیت کن کن بنیادوں پر تسلیم کی ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں ملکیت کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

اوّل ورثہ **دوم** خرید **سوم** ہبہ **چہارم** کسی ایسی چیز پر قبضہ جو لاوارث ہو اور جس پر قبضہ کرنا شریعت کے رُو سے جائز ہو۔

ورثہ کا ثبوت تو قرآن شریف سے ثابت ہے۔ قرآن شریف میں اولاد کو والد کی جائداد کا وارث قرار دیا گیا ہے پس جس کے والد کے پاس کوئی جائداد تھی اُس کی اولاد اُس کی مالک ہے اور ویسی ہی مالک ہے جیسا کہ باپ مالک تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نے یہ بات بھی بلا اختلاف ثابت کر دی ہے کہ جاہلیت کی ملکیتیں اسلام میں بھی جائز ملکیتیں سمجھی جائیں گی اِسی طرح جاہلیت کے قبضے اسلام میں بھی جائز سمجھے جائیں گے۔ چنانچہ عرب میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ جن زمینوں پر قابض تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اُن زمینوں پر قابض رہنے دیا سوائے اِس کے کہ وہ زمینیں جنگی قانون کے ماتحت ضبط ہوئی ہوں۔

دوسری صورت خرید کی ہے۔ خرید کا ثبوت بھی صحابہؓ کے طریق سے ثابت ہے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد اور اپنے مکانوں کے لئے مدینہ کے لوگوں سے زمین خریدی۔ یہ امر ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے۔ مدینہ میں ان لوگوں کی کوئی جائدادیں نہیں تھیں۔ مدینہ میں جا کر جو اِن لوگوں نے گھر بنائے وہ وہیں کے لوگوں سے زمینیں خرید کر بنائے تھے۔ چنانچہ یہ مشہور حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ عرصہ تک مدینہ کے باہر ٹھہر کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا جہاں میری اونٹنی ٹھہرے گی وہاں میں اپنا گھر بناؤں گا۔ مدینہ کے لوگوں نے اپنے گھروں میں سے نکل نکل کر اصرار کیا کہ اُن کے گھروں میں آپ ٹھہریں مگر آپ نے اِسے تسلیم نہ کیا۔ آخر جس جگہ پر آپ کی اونٹنی ٹھہری اُس جگہ کو آپ نے مسجد کے لئے اور اپنے مکانوں کے لئے پسند فرمایا۔ وہ دو یتیموں کی زمین تھی یتیموں کے وارثوں نے وہ زمین مفت دینی چاہی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کو پسند نہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ واجبی قیمت پر اِس کو فروخت کر دو۔[۳۰] اِس جگہ پر بعد میں مسجد اور آپ کے اہلِ بیت کے گھر بنے۔ پس زمین کی بیع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل اور طریق سے ثابت ہے۔

تیسرا طریقہ ملکیت کا ہبہ ہے یعنی کوئی شخص کسی شخص کو یا کسی قوم کو یا کسی جماعت کو اپنا مال ہبہ کے طور پر بخش دے تب اُس شخص کو یا اُس گروہ کو اُس زمین پر اُس حد تک مالکانہ حقوق حاصل ہونگے جس حد تک کہ ہبہ کرنے والے شخص نے ان کو حق دیا ہے۔ اگر اُس نے پورے مالکانہ حقوق بخش دیئے ہیں تو جو حق کسی کامل مالک کو حاصل ہوتے ہیں وہ سب اُن لوگوں کو حاصل ہونگے جن کے نام زمین ہبہ کی گئی ہے اور اگر کسی شرط کے ساتھ ملکیت منتقل کی گئی ہو تو جس حد تک پابندی لگائی گئی ہے اس کے بعد باقی حق اُن کو حاصل ہونگے۔ اِس قسم کے ہبے احادیث سے دونوں طرح کے ثابت ہیں۔ بے شرط بھی اور شرط کے ساتھ بھی۔ بے شرط ہبہ کی مثال وہ زمینیں ہیں جو قرآنی حکم کے ماتحت مالِ غنیمت کے طور پر صحابہؓ میں تقسیم کی گئیں جس کی مشہور مثال خیبر کی زمین ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی مثالیں بھی بہت سی پائی جاتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی زمینوں میں سے جو فوری طور پر صحابہؓ میں تقسیم نہیں کی گئیں

اپنی مرضی سے یا صحابہؓ کے مانگنے پر اُن کو زمینیں عطا فرمائیں۔ چنانچہ کنز العمال میں بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے۔

عن عبداللّٰہ بن ابی بکر قال جاء بلال بن الحارث المزنی الی رسول اللّٰہ ﷺ فاستقطع ارضا عریضة طویلة فقطعها۔ [۳۱]

یعنی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بلال بن حارث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ زمین کا ایک بہت لمبا اور چوڑا قطعہ اُن کے نام ہبہ کر دیا جائے۔ اُن کی اِس درخواست کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور ایک بہت بڑا ٹکڑہ جو شاید بیسیوں مربع میل کا تھا اُن کو ہبہ کر دیا۔

چوتھی صورت یعنی ایسی جگہ پر قبضہ کر لینا جس پر کسی اَور کا قبضہ نہ ہو اور اُس پر قبضہ کرنا شریعت کے رو سے جائز ہو۔ اِس کی مثال کے طور پر مَیں یہ حدیث پیش کرتا ہوں۔

بخاری میں لکھا ہے **کتاب المزارعة باب من احیا ارضًا مواتًا**۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من اعمر ارضا لیست لاحد فهوا حق**۔ جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کر دیا جو کسی کی نہیں وہ اُس کا حقدار ہے۔

اِسی طرح بخاری کی اِسی کتاب اور اِسی باب میں یہ درج ہے کہ **قال عمر من احیا ارضا میتة فهی له**۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص کسی ایسی لاوارث زمین پر قابض ہو گیا جس کا کوئی مالک نہیں وہ اُسی کو ملے گی۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا قبضہ اُسی صورت میں جائز ہوگا جبکہ امام کی طرف سے اس کی اجازت دی جائے کیونکہ لاوارث زمین درحقیقت حکومت کی ہوتی ہے پس امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ حکومت اُس کی مالک ہے حکومت کی اجازت کے بعد اُس پر قبضہ کرنا چاہیے یونہی نہیں۔ باقی آئمہ کے نزدیک چونکہ حکومت اُس کو کام میں نہیں لا رہی اور درحقیقت مالک افراد ہیں حکومت صرف مختارِ کار ہے اِس لئے اگر افراد میں سے کوئی شخص ایسی زمین پر بقدرِ ضرورت قبضہ کر لے تو وہ جائز ہوگا۔

میری غرض ان حوالوں کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ ہر مسلمان جو نسلاً کسی زمین کا وارث چلا

آ رہا ہے اور اُس پر اُس کا قبضہ ہے یا جس نے وہ زمین خریدی ہے یا جس کو وہ زمین ہبہ میں ملی ہے یا جس نے کسی اُفتادہ زمین پر کہ جو کسی کی ملکیت نہیں تھی قبضہ کر لیا ہے اسلامی شریعت کے رُو سے وہ شخص اُس کا مالک تصور کیا جائے گا ویسا ہی مالک جیسا کہ کارخانہ کا مالک اُس کا مالک ہے یا تجارتی دکان کا مالک اُس کا مالک ہے یا ملازمت سے حاصل ہونے والے روپے کا مالک اُس کا مالک ہے۔ ہاں اگر اِن چار ذرائع کے سِوا کسی اور ناجائز ذریعہ سے کسی نے کوئی زمین دبالی ہو تو حکومت کا حق ہے کہ اُس کو واپس لے۔ لیکن اوپر کے بیان کردہ چار ذرائع کے لحاظ سے اگر کوئی شخص کسی زمین کا مالک ہے تو یہ کہہ کر کہ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اُس پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین کا ہی مالک نہیں وہ نوکریوں کا بھی مالک ہے۔ تجارتوں کا بھی مالک ہے، صنعت وحرفت کا بھی مالک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی وجہ سے زمینوں پر قبضہ کرنا جائز ہے تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی وجہ سے تجارتوں پر بھی، صنعت وحرفت پر بھی اور ملازمتوں پر بھی قبضہ کرنا چاہیے، بلکہ افراد کی جانیں بھی خدا تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی ملکیت کے یہ معنی ہیں کہ حکومت اپنے آپ کو ظل اللہ قرار دے کر جس چیز پر چاہے قبضہ کر لے تو پھر حکومت کو لوگوں کی جانوں پر بھی قبضہ حاصل ہونا چاہئے۔ حکومت کو اختیار حاصل ہونا چاہئے کہ جس کو چاہے جس کام پر لگا دے اور کھانا کپڑا دے دے کوئی تنخواہ وغیرہ مقرر نہ کرے جیسا کہ غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن یہ امر سوائے بالشوزم کے اور کہیں جائز نہیں سمجھا جاتا۔

پانچواں باب

کیا جاگیرداری اسلام میں جائز ہے؟

میں نے اوپر کی فصل میں یہ بات بیان کی ہے کہ زمینوں کی ملکیت جائز ذرائع سے افراد کے لئے جائز ہے۔ یہاں شاید کسی کو یہ دھوکا لگے کہ اس اوپر کی فصل کے ماتحت جاگیرداری بھی جائز ہے۔ سو یاد رہے یہ درست نہیں۔ جاگیرداری اور زمینداری میں ایک فرق ہوتا ہے۔ زمینداری اِسے کہتے ہیں کہ ایک شخص زمین کا مالک ہوتا ہے لیکن حکومت یا پبلک کے حقوق کو پوری طرح ادا کرتا ہے اور جاگیرداری اِسے کہتے ہیں کہ حکومت یا پبلک کا حق کلّی طور پر یا جزوی طور پر اُسے معاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً زمیندار باوجود زمین کا مالک ہونے کے حکومت کی طرف سے مقرر کردہ معاملہ یا آبیانہ جسے اسلامی اصطلاح میں عُشر یا خراج یا زکوٰۃ کہتے ہیں ادا کرتا رہتا ہے لیکن جاگیردار کو تو کلّی طور پر خراج یا عشر یا زکوٰۃ معاف ہوتی ہے یا اس کا ایک حصہ معاف ہوتا ہے اور وہ گویا ملک کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں دوسری رعایا کے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔ مُلک کے امن، مُلک کے عدل و انصاف، مُلک کی حفاظت، مُلک کے دفاع اور مُلک کی حکومت کے چلانے کے لئے ایک غریب سے غریب آدمی کچھ نہ کچھ زکوٰۃ یا ٹیکس دے رہا ہوتا ہے لیکن یہ شخص ان تمام انتظامات سے فائدہ تو اُٹھا رہا ہوتا ہے لیکن ان کا بوجھ اُٹھانے میں شریک نہیں ہوتا۔ یہ چیز قطعی طور پر حرام ہے اور کسی حکومت کو زکوٰۃ یا عُشر کے معاف کر دینے کا حق نہیں حتیٰ کہ بانی اسلام بھی ایسا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ حق خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے اور خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حق کو کوئی انسان معاف نہیں کر سکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلا معاملہ یہی مسلمانوں کو پیش آیا۔ آپ کی وفات کے بعد عرب کے قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ یہ حق صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک تھا اس کے بعد نہیں۔ صحابہؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی تو حکومت چلے گی

کس طرح ؟ اگر ایسا کیا جائے تو اسلامی نظام درہم برہم ہو جائے گا لیکن نَومسلم قبائیلیوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور اُنہوں نے اصرار کیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ ان کو جاگیر دار سمجھ لیا جائے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حکام کے نام ہدایتیں جاری کی گئیں کہ زکوٰۃ با قاعدہ وصول کی جائے اور کسی کو معاف نہ کی جائے تو ملک نے بیک وقت بغاوت کر دی اور مختلف قبائل مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنے گھروں سے روانہ ہو گئے۔ یہ وقت اسلام کے لئے نہایت نازک تھا۔ سوائے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ اور ایک دو اَور ایسی جگہوں کے تمام کا تمام عرب باغی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا بہادر آدمی بھی اِس موقع پر گھبرا گیا اور اُنہوں نے دوسرے صحابہؓ سے مشورہ کر کے حضرت ابو بکرؓ سے یہ درخواست کی کہ سرِ دست لوگوں کو زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ آہستہ آہستہ جب یہ لوگ اسلام میں پکے ہو جائیں گے تو آپ ہی آپ زکوٰۃ دینے لگ جائیں گے اور ساتھ ہی اُنہوں نے کہا کہ مدینہ کے چند ہزار آدمی سارے عرب کا مقابلہ کر ہی کس طرح سکتے ہیں۔ بیس بیس ہزار کا لشکر ایک ایک طرف سے چلا آ رہا ہے اگر یہ لوگ مدینہ تک پہنچ گئے تو مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ساری بات سن کر فرمایا عمرؓ! زکوٰۃ خدا کا حق ہے میں اسے معاف کرنے کی طاقت نہیں پاتا۔ خدا کی قسم! میں خدا کے اس حق کے لینے کے لئے لڑوں گا اور اگر صحابہؓ بھی میرا ساتھ چھوڑ دیں تو میں اکیلا ان لوگوں سے جنگ کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ مدینہ میں گھس آئیں اور ازواجِ نبیؐ کی لاشیں گلیوں میں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں ان لوگوں سے نہیں ڈروں گا اور اُس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھوں گا جب تک کہ زکوٰۃ کی وہ چھوٹی رسّی جو اونٹ کا گھٹنا باندھنے کے کام آتی ہے اور جسے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ادا کرتے تھے اب بھی ادا نہ کریں گے۔[۳۲] حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں سن کر میرا دل دہل گیا اور میں نے سمجھا کہ واقعہ میں یہی شخص اِس بات کا مستحق تھا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد اسلام کی باگ ڈور اِس کے ہاتھ میں دی جاتی۔

یہ وہ فیصلہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کے پہلے خلیفہ نے کیا اور صحابہؓ باوجود خطرات کو دیکھنے کے اس فیصلہ کو ماننے پر مجبور ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے بھی

آسمانی شہادتوں سے اس فیصلہ کی سچائی کو ثابت کر دیا۔ اکثر حصہ مسلمانوں کا اسامہ بن زیدؓ کے ماتحت شام کی جنگ کے لئے بھجوا دیا گیا تھا اور مٹھی بھر صحابہؓ باقی رہ گئے تھے۔ دشمن اتنی تعداد میں تھا اور اتنا طاقتور تھا کہ باقی ماندہ صحابہؓ ان کے اونٹوں کے پاؤں تلے روندے جا سکتے تھے لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی، اُسی طرح اِن ایام میں اُس نے حضرت ابوبکرؓ کی بھی مدد کی۔ اس لئے کہ ابوبکرؓ ایک ایسے مسئلہ کی تائید کے لئے کھڑے ہوئے جو اسلام کے پانچ ارکان میں شامل ہے اور خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کو وہ قوتِ بازو بخشی اور وہ عزم عطا فرمایا کہ باوجود اِس کے کہ بعض دفعہ ہزاروں ہزار آدمی کے لشکر کے سامنے وہ پہاڑی کنکروں کی طرح اِدھر اُدھر بکھر جاتے تھے مگر پھر ان کے قدم مضبوط ہو جاتے تھے، ان کو پھر اکٹھا ہو جانے کی توفیق مل جاتی تھی اور شیروں کی طرح وہ دشمنوں کے ٹڈی دل لشکروں پر پھر جا پڑتے تھے۔ جہاں تک لشکروں کا سوال ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اتنی کم تعداد کے صحابہؓ کو اتنے بڑے لشکروں کا مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن نہ صحابہؓ نے اس کمی کو محسوس کیا اور نہ خدا تعالیٰ نے اِس کمی کے بدنتائج پیدا ہونے دیئے۔ آخر مدینہ سے چند منزل کے فاصلہ پر سب سے بڑے باغی لشکر کو جس میں بعض روایتوں کے مطابق کوئی ایک لاکھ کے قریب سپاہی تھا، صرف دو ہزار صحابہؓ نے شکست دی۔ وہ دانوں کی طرح بھن گئے، وہ قیمے کی طرح اُڑ گئے لیکن اُن کا قدم پیچھے نہ ہٹا اور اُسی وقت اُن کی تلواریں ٹھہریں جبکہ مسیلمہ کذاب مارا گیا اور باقی لشکر تتر بتر ہو گیا۔

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ آسمان سے خدا تعالیٰ نے کہا کہ جو کچھ ابوبکرؓ نے کیا ٹھیک کیا۔ اگر زکوٰۃ کا معاف کرنا کسی حکومت کے اختیار میں ہوتا تو ایسے نازک حالات میں ابوبکرؓ ضرور زکوٰۃ معاف کر دیتے۔ لیکن اُنہوں نے زکوٰۃ معاف نہیں کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر دشمن مسلمانوں پر غالب آ کر مدینہ میں گھس آئے اور ازواج النبیؐ کی لاشوں کی ٹانگیں پکڑ کر کتے مدینہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں تب بھی وہ زکوٰۃ معاف نہیں کریں گے۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ کوئی حکومت خواہ مذہبی ہو یا سیاسی اِس چیز کو معاف نہیں کر سکتی۔ میں حیران ہوں کہ مسلمانوں میں یہ جہالت کس طرح آ گئی کہ انہوں نے عُشر اور خراج معاف کرنے شروع کر دیئے اور

جاگیرداری سسٹم قائم کر دیا۔ جاگیرداری سسٹم کے تو یقیناً یہ معنی ہیں کہ مالک خدا نہیں بلکہ حکومت ہے اور وہ جس کو چاہتی ہے اپنے بندوں کا مالک بنا دیتی ہے۔

غرض جاگیرداری سسٹم قطعاً اسلام کے خلاف ہے اور نہ صرف اسلام کے خلاف ہے بلکہ اسلام کے پنج ارکان کے خلاف ہے وہ پانچ حکم جن میں سے ایک حکم توڑنے سے بھی انسان قطعی کافر ہو جاتا ہے ان میں سے ایک ہے۔ پس میں مسلمان جاگیرداروں سے کہوں گا کہ حکومت کے کہنے پر نہیں خدا اور رسول کے کہنے پر وہ اپنی جاگیریں چھوڑ دیں۔ عُشر کو یا خراج کو کوئی معاف نہیں کرسکتا۔ اسلام میں عُشر وصول نہ کرنے کی صرف ایک ہی مثال پائی جاتی ہے اور وہ بطور سزا کے ہے۔ ایک شخص نے عُشر کے ادا کرنے میں تنگی محسوس کی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ اس شخص سے زکوٰۃ وصول نہ کی جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے وہ شخص اپنی زکوٰۃ لے کر جو ہزاروں ہزار روپیہ کی قیمت کی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عاجزانہ طور پر درخواست کی کہ زکوٰۃ مجھ سے وصول کی جائے۔ لیکن وہ ابوبکرؓ جس نے مرتدین عرب کے مقابلہ میں یہ کہا تھا کہ اگر زکوٰۃ کی ایک چھوٹی سی رسّی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کی جاتی تھی تو وہ بھی میں لے کر چھوڑوں گا اُسی ابوبکرؓ نے اُس شخص کو یہ جواب دیا کہ جس زکوٰۃ کو خدا کے رسول نے وصول نہیں کیا ابوبکرؓ اُس کو وصول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ شخص ہر سال زکوٰۃ لاتا تھا۔ اُس سال کی بھی اور پچھلے سالوں کی بھی اور اصرار کرتا تھا کہ اُس سے زکوٰۃ وصول کی جائے مگر حضرت ابوبکرؓ اُس کی زکوٰۃ کو ردّ کر دیتے تھے اور وہ اپنی بدبختی پر خون کے آنسو بہاتا ہوا مثالی طور پر نہیں عملی طور پر روتا ہوا واپس چلا جاتا تھا۔

اِس ایک جاگیرداری کی مثال کے سِوا قرونِ اُولیٰ میں جاگیرداری کی کوئی مثال نہیں ملتی مگر یہ کتنی ذلّت والی اور کتنی دکھ والی جاگیرداری تھی۔ وہ کمزور انسان، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ردّ کر دینے والا انسان اِس زکوٰۃ کی معافی کو لعنت سمجھتا تھا اور اس لعنت کے داغ کو اپنے ماتھے پر سے دھونا چاہتا تھا۔ کیا آج کا جاگیردار مسلمان اِس لعنت کو اپنی اولادوں کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے؟ یہ تو کوئی سوال ہی نہیں کہ حکومت کوئی ایسا قانون پاس کرتی ہے یا

نہیں ایک مسلمان کی حیثیت سے جاگیردار کو چاہیے کہ حکومت اگر زور بھی دے کہ تُو یہ رقم اپنے پاس رکھ لے تو وہ کہے کہ میں یہ رقم رکھنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ یہ تو میرے ایمان کا دیوالہ نکالنے والی بات ہے، یہ تو مجھے کافروں میں شامل کرنے والی رقم ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی جائدادیں صحابہؓ کو ہبہ کی تھیں اُن سب کے اوپر آپ نے زکوٰۃ کو قائم رکھا تھا۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں آتا ہے۔

عن بشیر بن یسار عن رجال من اصحاب النبی ﷺ ادرکھم یذکرون عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین ظھر علی خیبر قسمھا علی ستة وثلاثین سھما ۔ جمع کل سھم مائة سھم فجعل ذالک کلہ للمسلمین فکان فی ذالک النصف سھام المسلمین وسھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم معھا وجعل النصف الاخر لمن ینزل بہ من الوفود والامور و نوائب الناس [۳۳] یعنی بشیر بن یسار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہؓ سے جن سے اُن کو ملاقات کا موقع ملا ہے یہ روایت سنی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر فتح پائی تو آپؐ نے خیبر کی ساری زمین چھتیس حصوں میں تقسیم کردی۔ ہر حصہ ایک سَو حصص کا تھا۔ گویا کل تین ہزار چھ سَو حصہ مقرر کیا گیا۔ اِن حصوں میں سے نصف یعنی اٹھارہ سَو حصے تو آپ نے مسلمانوں میں تقسیم کردیئے جن میں خود آپ کا بھی حصہ شامل تھا اور باقی نصف آپ نے اِس بات کے لئے محفوظ کر دیا کہ غریبوں کی مشکلات اور حکومت کی ضروریات پر اس کی آمد خرچ ہو۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی نصف زمین صحابہؓ میں بانٹ دی تھی۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ کیا اِس نصف زمین پر سے عُشر وصول ہوتا تھا یا نہیں؟ سو اِس کے متعلق ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کی طرف بھیجا کرتے تھے اور وہ وہاں جا کر کھجوروں کے درختوں کے پھلوں کی قیمت کا اندازہ لگاتے تھے پیشتر اِس کے کہ لوگ اُس میں سے کچھ کھائیں۔ پھر وہ یہودیوں کو موقع دیا کرتے تھے کہ خواہ وہ اس اندازہ کو قبول کر کے اپنا حقِ مزارعہ رکھ کر ان کو دے دیں یا وہ اس اندازہ کو ردّ کر دیں تو ابن رواحہ اپنے اندازہ کے مطابق ان کو

حصہ دے کر باقی اپنے پاس رکھ لیں۔[۳۴] یہ وہی طریقہ ہے جسے کنکوت کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ وہ اِس لئے ایسا کرتے تھے کہ پھلوں کے کھائے جانے سے پہلے زکوٰۃ کا اندازہ ہو جائے جس کے معنی یہ ہیں کہ خیبر کے عطیات پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے زیادہ کون جاگیرداری کا مستحق تھا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنے لئے جاگیرداری کو قبول کیا اور نہ صحابہؓ کیلئے جاگیرداری پسند کی بلکہ زکوٰۃ کا حق سب سے وصول کیا۔

چھٹا باب

کیا زمین کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی ملکیت بھی جاگیرداری کی طرح ممنوع ہے؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ اسلام میں زمین کے بڑے بڑے ٹکڑوں کا مالک ہونا بھی جائز ہے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا مالک ہونا بھی جائز ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں جو خیبر کی زمین آئی تھی وہ اتنی بڑی تھی کہ **کان ینفق منھا ویاکل و یعود علی فقراء بنی ھاشم ویزوج ایمھم** [۳۵] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس زمین کی آمد میں سے اپنے اخراجات اور اپنے ۹ گھروں کے اخراجات بھی نکالتے تھے اور بنو ہاشم کے غرباء پر بھی اسے خرچ کرتے تھے اور بنو ہاشم کی بیواؤں کے نکاح بھی اس روپیہ سے کرتے تھے۔

اِس طرح حدیث میں آتا ہے۔ **قد سال یمیم الداری رسول اللہ ﷺ ان یقطعہ عیون البلد الذی کان منہ بالشام قبل** [۳۶] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمیم داری رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ شام کی بعض نہروں کی زمین اُن کو عطا فرما دیں اور آپ نے اُن کو وہ زمین عطا فرما دی۔

اِس طرح روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عاص کا طائف میں انگوروں کا ایک باغ تھا جس میں دس لاکھ لکڑی سہارے کی لگی ہوئی تھی [۳۷] اگر ایک ایک انگور کے سہارے کے لئے دس دس لکڑیاں بھی سمجھی جائیں تو ایک لاکھ درخت بنتا ہے اور اِس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سَوا ایکڑ سے بڑا باغ تھا۔ باغ کے ایک ایکڑ کی آمدن دس ایکڑ زرعی زمین سے زیادہ ہوتی ہے گویا ایک ہزار ایکڑ کی ملکیت اُن کے پاس تھی۔

کتاب الخراج صفحہ ۳۵ پر شیخ الاسلام امام ابو یوسفؒ شاگرد حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے

ہیں کہ **حدثنی بعض اشیاخی من اھل المدینۃ قال اقطع رسول اللہ ﷺ بلال ابن الحارث المزنی مابین البحر والصخر** [۳۸] یعنی رسول کریم ﷺ نے بلال بن حارث کو سمندر اور پہاڑ کے درمیان کا علاقہ سارے کا سارا بخش دیا۔ اِس واقعہ کو سنن ابوداؤد باب اقطاع الارضین صفحہ ۴۳۵ پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ عمرو بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث المزنی کو سمندر سے لے کر مدینہ کے قریب کے پہاڑ قدس تک تمام کانیں اور تمام اونچے ٹیلوں والی زمینیں اور تمام نشیب والی زمینیں عطا فرمادی تھیں لیکن یہ شرط لگادی تھی کہ اس علاقہ میں اگر کسی مسلمان کی زمین ہوتو وہ تم کونہیں ملے گی اور ان الفاظ میں آپ نے اُن کو ہبہ نامہ عطا فرمایا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ھذا ما اعطی محمد رسول اللہ ﷺ بلال ابن الحارث المزنی اعطاہ معادن القبلیۃ من القدس جلسیھا و غوریھا وحیث یصلح الزرع ولم یعطہ حق مسلم [۳۹] یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال بن حارث کو یہ پروانہ دیتے ہیں کہ آپ نے ان کو قبلیہ کی کانیں خواہ وہ اونچی جگہوں پر ہوں یا نیچی جگہوں پر ہوں اور قدس پہاڑ کے پرے جتنی زمین زراعت کے قابل ہے سب کی سب بخش دی ہے۔

یہ زمین اتنی بڑی تھی کہ باوجود اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی فتوحات سے مسلمانوں کے پاس بہت مال آگیا تھا پھر بھی بلال اُن کو آباد نہیں کر سکے اور اس بارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قدم اُٹھانا پڑا جس کا ذکر ایک اگلے باب میں آئے گا۔

کنز العمال جلد۲ صفحہ ۱۹۰ پر سنن بیہقی کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے کہ **عن عبداللّٰہ بن الحسن ان علیا سال عمر بن الخطاب فاقطعہ ینبع** ۔یعنی عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خواہش کی کہ وہ انہیں کچھ زمین ہبہ کریں۔ اِس پر اُنہوں نے ینبُع قصبہ سارے کا سارا اُن کے نام لکھ دیا۔

ینبُع ایک قصبہ ہے جو مدینہ منورہ کا بندرگاہ بھی ہے اس لحاظ سے اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ اس قصبہ کے ساتھ پانچ سات ہزار ایکڑ زمین تو ضرور ہوگی بلکہ اِس

سے بھی زیادہ زمین ہوگی۔

اِسی طرح حدیث میں آتا ہے:۔**قد اقطع رسول اللّٰہ ﷺ الزبیر بن العوام رکض فرسہ من موات النقیح فاجراہ ثم رمی بسوطہ رغبۃ فی الزیادۃ فقال رسول اللّٰہ ﷺ اعطوہ منتھی سوطہ** [۴۰] سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت اس طرح درج ہے کہ **اقطع الزبیر حضر فرسہٖ فاجریٰ فرسہٗ حتی قام ثم رمی بسوطہٖ فقال اعطوہ من حیث بلغت السوط** [۴۱] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو سرکاری زمینوں میں سے ایک اتنا بڑا ٹکڑا عطا فرمایا جس میں کہ حضرت زبیرؓ کا گھوڑا آخری سانس تک دَوڑ سکے۔ حضرت زبیرؓ کا گھوڑا جس جگہ پر جا کر کھڑا ہوا وہاں سے انہوں نے اپنا کوڑا بڑے زور سے اَور پرے پھینکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ نہ صرف اُس حد تک زمین اُن کو دی جائے جہاں اُن کا گھوڑا جا کر کھڑا ہوگیا تھا بلکہ جہاں اُن کا کوڑا گرا تھا اُس حد تک ان کو زمین دی جائے۔ ہمارے ملک کا گھوڑا بھی میلوں میل دَوڑ سکتا ہے اور عرب کا گھوڑا تو بہت زیادہ تیز ہوتا ہے اگر چار پانچ میل بھی گھوڑے کی دَوڑ رکھی جائے تو بیس ہزار ایکڑ کے قریب زمین بنتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج کے صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں **اقطع رسول اللّٰہ ﷺ الزبیر ارضا فیھا...... نخل من اموال بنی نضیر و ذکر انھا کانت ارضا یقال لہ الجرف** [۴۲] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ایک زمین کا ٹکڑا بخشا جس میں کھجور کے درخت بھی لگے ہوئے تھے اور وہ کسی وقت یہودی قبیلہ بنونضیر کی ملکیت میں سے تھا اور اُس کو جرف کہتے تھے یعنی وہ ایک مستقل گاؤں تھا۔ جب ہم پہلی حدیثوں سے اِس حدیث کو ملائیں تو اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو اُس وقت اوپر والی زمین بخشی جبکہ وہ پہلے سے ایک گاؤں کے مالک تھے جس میں کھجور کے باغ بھی تھے۔

کتاب الخراج کے صفحہ ۳۵ پر امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ ایک اور روایت بھی درج فرماتے ہیں جو یہ ہے۔**عن ابی رافع قال اعطاھم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ارضا فعجز وا عن عمارتھا فباعوھا فی زمن عمرابن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ بثمانیۃ الاف دینارا**

او بثمان مائة الف درهم ۴۳؎ یعنی حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے خاندان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑی زمین دی۔ اُس کی وسعت کی وجہ سے ان کا خاندان اسے آباد کرنے سے قاصر رہا۔ آخر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ زمین آٹھ ہزار دینار پر جو آٹھ لاکھ درہم کے برابر ہوتا ہے فروخت کر دی۔ درہم کی قیمت ہمارے زمانہ کے سکّوں کے لحاظ سے ساڑھے تین آنہ بنتی ہے وہ چاندی کا سکہ ہوتا تھا اور دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا۔ پس حساب کے رو سے اگر آٹھ لاکھ درہم کو روپوں میں تبدیل کیا جائے تو قریباً دو لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ چونکہ اُس وقت سکہ کی قیمت زیادہ گراں ہوتی تھی اور اب سکہ کی قیمت اُس زمانہ سے پندرہ بیس گنا گر گئی ہے اس لئے یہ رقم اس زمانہ کے لحاظ سے پندرہ بیس لاکھ سے کم نہیں بنتی۔

اُوپر کے حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہؓ نے بڑی بڑی زمینداریاں بعض افراد کو بخشی تھیں۔ جن میں سے بعض پندرہ پندرہ، بیس بیس، تیس تیس ہزار ایکڑ پر مشتمل تھیں اور جن میں سے ایک کی قیمت جو بڑی زمینداریوں میں سے نہیں تھی موجودہ زمانہ کے روپیہ کے لحاظ سے پندرہ بیس لاکھ روپے کی تھی۔

ساتواں باب

کیا زمین کا خود کاشت کرنا ضروری ہے یا اُسے آگے لگان پر بھی دیا جا سکتا ہے؟

اُوپر کے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی شرع کے رُو سے ایک شخص زمین کے بڑے ٹکڑے کا بھی مالک ہوسکتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس بڑے ٹکڑے کو کیا کرے گا؟ آخر کوئی شخص اتنے بڑے ٹکڑے کو خود کاشت نہیں کرسکتا۔ یہی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ دوسروں کو ملازم رکھ کر کاشت کروائے یا دوسرے لوگوں کو حصہ پر یا لگان پر کاشت کرنے کے لئے اپنی طرف سے زمین دے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کی رُو سے یہ جائز ہے کہ انسان اپنی زمین پر خود تو کاشت نہ کرے لیکن دوسروں سے کاشت کروا کے ان سے حصہ لے لے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ جائز ہے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف کی بنیاد شیعہ سُنّی سے پڑتی ہے۔ تیسری پارٹی خوارج کی ان کے بعد آئی۔ شیعوں کو سارا غصہ یہی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے باغِ فدک کی جائیداد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے خاندان کے خرچ کے لئے مخصوص تھی اُسے آپ کا ترکہ قرار نہ دے کر حسبِ شریعت تقسیم نہ کیا۔ اِس جھگڑے سے تو ہمیں بحث نہیں کیونکہ اس جگہ پر ہم زمین کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ وہ زمین خواہ وقف تھی خواہ مملوکہ تھی اور خواہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اموال باقی مسلمانوں کی طرح ورثہ میں تقسیم ہو سکتے تھے یا آپ کے بعض ارشادات کے مطابق تقسیم نہیں ہو سکتے تھے، کیا اس کی کاشت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود کیا کرتے تھے یا آپ کے خاندان کے لوگ کیا کرتے تھے؟ زمین تو خیبر میں تھی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے تمام مرد افراد مدینہ منورہ میں رہتے تھے وہ اس زمین کو کاشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ بہرحال دوسرے لوگ ہی اس کی کاشت کرتے ہونگے۔ پس خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے خاندان کا گزارہ ایک ایسی زمین پر تھا جو آگے مقاطعہ پر دی ہوئی تھی اور جو آمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مطہر وجود کے لئے پاک تھی وہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے لئے کیوں پاک نہیں؟ بہرحال آپ کے فعل نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اسلام کے رُو سے مالک زمین کا اپنی زمین دوسرے کو مقاطعہ پر دے دینا بالکل جائز اور درست ہے۔ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے ایسا واضح معاملہ ہے کہ اس کا کوئی عقلمند انسان انکار نہیں کر سکتا لیکن میں مزید ثبوت کے طور پر بعض احادیث اور روایات بھی اس کی تائید میں پیش کرتا ہوں۔

بخاری میں لکھا ہے۔ **عن ابن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعطی خیبر الیھود علی ان یعملوھا ویزرعوھا ولھم شطر ماخرج منھا** [۴۴] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین پر جو آپ نے اپنے لئے اور اپنے صحابہؓ کیلئے اور بیت المال کے لئے تقسیم کر دی تھی یہودیوں کو اس شرط پر دے دی کہ وہ اس پر کام کریں اور اس میں زراعت کریں اور جو پیداوار ہو اُس کا نصف اُن کو دیا جائے۔

اہلِ شیعہ کی احادیث میں بھی اس مسئلہ کی تصدیق آتی ہے۔ چنانچہ فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ پر یہ روایت درج ہے کہ

عن یعقوب بن شعیب عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال سألت عن الرجل یکون لہ الارض من ارض الخراج فیدفعہ الی الرجل علٰی ان یعمرھا ویصلحھا ویودی خراجھا وماکان من فضل فھو بینھما قال لاباس وسالتہ عن المزارعۃ فقال النفقۃ منک والارض لصالحبھا فما اخرج اللّٰہ منھا من شییء قسم علی شرط وکذلک اعطی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیبر حین اتوہ فاعطاھم ایاھا علی ان یعمروھا ولھم النصف مما اخرجت یعنی یعقوب بن شعیبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کے پاس خراجی زمین میں سے کچھ حصہ زمین کا ہو تو کیا اُس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی اَور شخص کو وہ زمین دے دے تاکہ وہ اس میں کاشت کرے اور اس کو سنوارے اور گورنمنٹ کا خراج اس میں سے ادا کرے اور خراج کے بعد جو کچھ بچ رہے اُسے زمین دینے والے کے ساتھ آدھا آدھا بانٹ لے؟ امام ابوعبداللہ نے

فرمایا کہ اِس میں کوئی حرج نہیں وہ ایسا کر سکتا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا کسی سے زمین مقاطعہ پر لے کر اُس میں کھیتی کرنا جائز ہے؟ فرمایا ہاں خرچ تمہارا ہوگا، زمین اُس کی ہوگی۔تم دونوں اس کے حصہ دار ہوگے۔ پھر جو کچھ اس زمین میں سے پیدا ہوگا وہ مقاطعہ کی شرطوں کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔اور فرمایا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو اس طرح کرتے تھے۔ جب خیبر کے یہودی آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے خیبر کی زمینیں جو مسلمانوں میں تقسیم ہو چکی تھیں، وہ اُن کو اِس شرط پر دِلوادیں کہ وہ اس میں کھیتی باڑی کریں گے اور آدھا حصہ مسلمانوں کو مل جائے گا اور آدھا حصہ اُن کو مل جائے گا۔

اِن روایتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کے احکام کے رُو سے اگر کوئی شخص بوجہ بیماری یا غیر حاضری اپنی تھوڑی سی زمین کو خود کاشت نہ کر سکے یا بڑی زمین کو خود آباد نہ کر سکے تو وہ اپنی زمین بٹائی پر دوسرے لوگوں کو دے سکتا ہے۔خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور صحابہؓ نے ایسا کیا اور دوسروں کو ایسا کرنے کا مشورہ دیا۔ پس بٹائی پر زمین کا دینا اسلام کی رُو سے ہرگز ناجائز نہیں۔

آٹھواں باب

کیا زمین صرف بٹائی پر دی جاسکتی ہے یا لگان پر بھی دی جاسکتی ہے اور کیا اس کے لئے کوئی حد بندی مقرر ہے؟

یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ اسلام میں بڑی زمینوں کی ملکیت بھی جائز ہے اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس کے پاس بڑی زمین ہو چونکہ وہ خود کاشت نہیں کرسکتا اور اُسے لازماً زمین دوسروں کو دینی پڑے گی تا کہ وہ اس کی طرف سے کاشت کریں اس کے لئے آیا اسلام نے کوئی قاعدہ مقرر کیا ہے یا مختلف طریقوں کو جائز رکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے رُو سے زمین کو کاشت پر دینے کی کئی جائز صورتیں پائی جاتی ہیں۔

اوّل زمین کو بٹائی پر دینا۔

دوم زمین کو لگان پر دینا۔

سوم زمین اپنے بھائیوں کی امداد کے لئے مفت دینا۔

پہلی صورت یعنی بٹائی پر دینے کے متعلق پہلے مختلف ابواب میں احادیث نقل کی جاچکی ہیں اور بتایا جاچکا ہے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زمین اس طرح پر یہودیوں کو کاشت کے لئے دی تھی۔ اِسی بارہ میں بعض اور احادیث اور اقوال بھی نقل کئے جاتے ہیں۔

محلّٰی ابن حزم جلد ۸ کتاب احکام المزارعہ میں لکھا ہے۔ **ان اخر فعل رسول اللہ ﷺ الی ان مات کان اعطاء الارض بنصف مایخرج منھا من الزرع و من الثمر ففعلہ علیہ السلام فی خیبر ھو الناسخ** یعنی امام ابن حزم (جو حدیث میں اتنا بڑا پایہ رکھتے ہیں کہ ان کو چھوٹا احمد بن حنبل کہا جاتا ہے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری فعل جو وفات تک جاری رہا یہ تھا کہ آپ پیداوار کی نصفا نصف بٹائی پر زمین مزارع کو دیا کرتے تھے اور کھجوروں کا باغ بھی پیداوار کی نصفا نصف بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ پس چونکہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

آخری فیصلہ تھا جو آپ نے خیبر میں نافذ کیا اور آپ کی وفات تک اِس پر عمل کیا گیا اس لئے اگر کوئی حدیث اِس کے خلاف ہے تو یہ فیصلہ اور یہ عمل اُس کو منسوخ کرتا ہے۔

خلفاء اور صحابہ کا عمل بھی اِسی کے مطابق تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں زمین بٹائی پر دینے کا کام جاری رکھا تھا۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یمن سے یہودیوں اور عیسائیوں کو نکال دیا تو اُن کی زمینیں لوگوں کو ٹھیکہ پر دیں اور شرط یہ کی کہ اگر وہ تمام قسم کے اخراجات خود برداشت کریں تو دو تہائی اُن کا اور حکومت کا ایک ثلث حصہ ہوگا اور اگر عمرؓ یعنی حکومت بیج اپنے پاس سے دیں تو نصف عمرؓ یعنی حکومت کو ملے گا اور نصف مزارعین کو ملے گا۔ بعض روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ بعض جگہ پر اس میں کسی قدر تبدیلی بھی ہوئی اور اس طرح بھی مقاطعہ دیا گیا کہ اگر بیج، بیل اور سامانِ کاشت حضرت عمرؓ یعنی حکومت دے تو حکومت کو دو تہائی اور مزارع کو ایک تہائی ملے گا۔ اور اگر یہ چیزیں مزارع دیں تو پھر آدھا حکومت کا ہوگا اور آدھا اُن لوگوں کا ہوگا۔[۴۵]

اسی طرح بخاری باب المزارعۃ میں یہ حدیث درج ہے۔ **قال قیس بن مسلم عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اھل بیت ھجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع و زارع علی وسعد بن مالک و عبداللّٰہ بن مسعود و عمرو بن عبدالعزیز والقاسم و عروۃ بن زبیر و اٰل ابی بکر و اٰل عمر واٰل علی و ابن سیرین و قال عبدالرحمن بن الاسود کنت اشارک عبدالرحمٰن بن یزید فی الزرع** ۔ یعنی ابی جعفرؒ کی روایت ہے کہ مدینہ کے مہاجرین کا ایک خاندان بھی نہیں تھا جو تیسرے یا چوتھے حصہ کی بٹائی پر زراعت نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور سعد بن مالکؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عمرو بن عبدالعزیزؒ اور قاسمؒ اور عروہ بن زبیرؒ اور خاندانِ حضرت ابوبکرؓ اور خاندانِ حضرت عمرؓ اور خاندانِ حضرت علیؓ اور مشہور تابعی ابن سیرین یہ سب کے سب زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن الاسود کہتے ہیں کہ میں بھی عبدالرحمٰن بن یزید کے ساتھ مل کر یہ کام کیا کرتا تھا۔

اِس حدیث پر علامہ ابن حجر اپنی کتاب فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۷ میں یہ نوٹ لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یہ روایت نقل کرکے اِس طرف اشارہ کیا ہے کہ بٹائی پر زمین دینے کے جواز میں کسی

صحابی کو اختلاف نہیں خصوصاً مہاجر، اہلِ مدینہ تمام کے تمام اِس بات پر متفق ہیں۔

اِسی طرح ایک روایت میں خالد حذاء یمنی کہتے ہیں کہ مَیں ایک دفعہ حضرت مجاہد کے پاس بیٹھا تھا (یہ ایک بہت بڑے فقیہہ اور مفسر قرآن تابعی تھے) کہ حضرت مجاہد نے رافع بن خدیج کی روایت بیان کی جو زمین کو مقاطعہ پر دینے کے خلاف ہے۔ اس مجلس میں طاؤس بھی بیٹھے ہوئے تھے (یہ بھی بہت بڑے تابعی اور مفسر گزرے ہیں۔) انہوں نے جب یہ روایت سُنی تو اپنے سینہ پر زور سے ہاتھ مارا اور کہا کہ **قدم علینا معاذ الیمن و کان یعطی الارض علی الثلث والربع فنحن نعمل بہ الی الیوم** [۴۷] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے پاس آپ ؐ کی طرف سے گورنر مقرر ہو کر حضرت معاذ صحابیؓ یمن میں تشریف لائے اور آپ زمین تیسرے یا چوتھے حصّہ پر بٹائی پر لوگوں کو دیا کرتے تھے ہم بھی اِسی طرح بٹائی پر لوگوں کو زمین دیتے رہے اور آج تک دیتے ہیں اس لئے ہم اس دوسری حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔

حضرت طاؤس کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اِس فیصلہ پر اتنا اصرار تھا کہ نسائی میں عمرو بن دینار سے روایت لکھی ہے کہ طاؤس کہتے تھے اصل طریقہ زمین کو کاشت کے لئے دینے کا بٹائی ہی ہے کسی رقم کے بدلہ پر زمین دینا ناپسندیدہ ہے (اس بارہ میں تفصیل آگے آئے گی۔)

بخاری کتاب المزارعۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک راویت آتی ہے کہ انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے باغات ہم میں اور مہاجرین میں آدھے آدھے بانٹ دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا یہ صورت ہوسکتی ہے وہ لوگ محنت کریں اور پھل میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ انصار نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم نے آپ ؐ کا ارشاد سنا اور ہم ایسا ہی کریں گے۔

ائمہ اہل بیت کا بھی یہی تعامل رہا ہے اور اِسی کے مطابق ان کا فتویٰ تھا۔ چنانچہ حضرت امام ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ آپؒ نے فرمایا گندم کی معین مقدار پر زمین کا ٹھیکہ مت لیا کرو بلکہ نصف پیداوار یا تہائی پیداوار یا چوتھائی پیداوار یا پانچویں حصہ کی پیداوار پر ٹھیکہ لیا کرو۔ اِس میں کوئی حرج نہیں (فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ یہ کتاب شیعوں کی کتب میں حدیث بخاری کا

درجہ رکھتی ہے)

اِسی طرح حضرت امام ابوعبداللہ سے یعقوب بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری جان آپؑ پر قربان ہو آپ کا کیا فتویٰ ہے اُس زمین کے بارہ میں جو مجھے بادشاہ سے ملے پھر میں اُس کو آگے مقاطعہ پر دے دوں اور یہ شرط کروں کہ جو کچھ اس میں سے نکلے، سلطنت کا حق دینے کے بعد جو بچے گا اُس میں سے نصف یا ثلث میرا ہوگا آیا یہ جائز ہے؟ حضرت امام نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں میں بھی اِسی طرح اپنی زمینوں کے متعلق کیا کرتا ہوں۔ [۴۹]

اِسی طرح ابراہیم کرخی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوعبداللہ سے پوچھا کہ میں اگر کسی ذمی کے ساتھ یہ معاہدہ کروں کہ زمین اور بیج اور بیل میرے ہونگے اور ذمی کے ذمہ زمین کی نگہداشت اور پانی دینا اور ہل چلانا اور گڈائی وغیرہ کرنا ہوگا یہاں تک کہ گندم یا جَو پک جائیں پھر جو فصل پیدا ہو اُس میں سے حکومت کا خرچ ادا کرنے کے بعد جو بچے اُس میں سے وہ ذمی مزارع تو تیسرا حصہ لے اور باقی دو حصّے میرے ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟ حضرت امام ابوعبداللہ نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ [۵۰]

ائمہ اہل السنّت و اہل حدیث اور دیگر علماء کا بھی یہی فیصلہ ہے چنانچہ امام نووی شرح مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں کہ **قال ابن ابی لیلٰی و ابویوسف و محمد وسائر الکوفیّین وفقھاء المحدثین واحمد وابن خزیمة وابن شریح وآخرون تجوز المسا قاة والمزارعة مجتمعتین و یجوز کل واحد منھما منفردةً** یعنی ابن ابی لیلےٰ اور ابو یوسف اور محمد اور کوفہ کے دوسرے تمام علماء اور محدثین میں سے سب بڑے بڑے فقہاء اور امام احمد اور شافعیوں میں سے ابن خزیمہ اور ابن شریح اور اَور بہت سے علماء باغ اور اس کی زمین کو اکٹھا ٹھیکے پر لینا یا دینا یا زمین کو الگ ٹھیکے پر دینا اور باغ کو الگ ٹھیکے پر دینا جائز سمجھتے ہیں۔

اِسی صفحہ پر اُن کا یہ قول بھی درج ہے کہ ابن شریح اور ابن خزیمہ اور ان کے سوا ہمارے شافعی مذہب کے دوسرے بڑے علماء کی بھی یہی رائے ہے اور یہی پسندیدہ فیصلہ ہے اور اِسی پر ہمارا عمل ہے۔ پھر امام نووی کی یہ رائے بھی اِسی صفحہ پر درج ہے کہ تمام ملکوں کے مسلمان اور

تمام پچھلے زمانوں کے مسلمان زمین کو بٹائی پر دینے کے طریقہ پر عمل کرتے رہے ہیں۔

امام ابو یوسف جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے سب سے بڑے پایہ کے سمجھے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ **ھذا احسن ما سمعنا فی ذالک واللّٰہ اعلم وھو الماخوذ بہ عندنا** [۵۱] یعنی بٹائی پر زمین دینے کا جو طریق ہے اس کے جائز ہونے کے متعلق جو روایتیں ہیں وہ نہایت ہی ثابت شدہ روایتیں ہیں۔ باقی حقیقی علم خدا تعالیٰ کو ہے مگر ہم لوگ تو اِسی فتویٰ پر عمل کرتے ہیں۔

اِسی طرح امام نووی سے ان کی شرح مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۱۲ پر یہ روایت درج ہے کہ مالکیوں میں سے ایک بڑی جماعت کا یہ فتویٰ ہے کہ زمین کو بٹائی پر دینا تیسرے حصہ پر یا چوتھے حصہ پر یا اَور کسی طریق پر جس کا باہم فیصلہ ہو جائے جائز ہے۔

سابق بڑے ائمہ میں سے صرف امام ابو حنیفہؒ ہیں جو اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف نقدی پر زمین دی جاسکتی ہے، بٹائی پر زمین نہیں دی جاسکتی۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہ فتویٰ امام نووی کی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴ پر درج ہے۔ اور علامہ طحاوی کی کتاب شرح معانی الآثار جلد ۴ صفحہ ۱۳۰ پر بھی یہ فتویٰ درج ہے۔ اس کتاب میں یہ فتویٰ اِن الفاظ میں درج ہے۔ **لایجوز المساقاۃ ولا المزارعۃ الا بالدراھم والدنانیر وما اشبھما من العروض** ۔ یعنی باغوں کا ٹھیکہ پر دینا یا زمین کا ٹھیکہ پر دینا صرف روپے سونے کے لگان کے بِالمقابل جائز ہے، غلّہ کی بٹائی پر جائز نہیں۔

علّامہ ابن قیم جو اہلِ حدیث اور صوفیاء دونوں میں بڑی عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اعلام الموقعین جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ پر فرماتے ہیں۔ **المزارعۃ الطریقۃ المشروعۃ التی فعلھا رسول اللّٰہ ﷺ حتی کانھا رای عین واتفق علیہ الصحابۃ وصح فعلھا عن الخلفاء الراشیدین لایشک فیھا کما حکاہ البخاری** [۵۲] یعنی زمین کا بٹائی پر دینا ایک شرعی طریقہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے اور اِس حد تک ثابت ہے کہ گویا ہم نے اپنی آنکھوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عمل کرتے دیکھ لیا ہے۔ اور صحابہؓ نے بھی اِس پر اتفاق کیا ہے اور خلفائے راشدین کا عمل بھی اس پر ثابت ہے جس میں کوئی شک کی

گنجائش نہیں۔ اور امام بخاری نے ایسا ہی روایت کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی یہی مذہب تھا چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ کی جلد۲ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸ پر یہ عبارت درج ہے۔ **المساقاۃ ان تکون اصول اشجر لرجل فیکفی مؤونتھا الاخر علی ان تکون الثمر بینھما والمزارعۃ ان تکون الارض والبذر لواحد والعمل والبقر من الاخر والمخابرۃ ان تکون الارض لواحد والبذرو البقر والعمل من الاخر ونوع اخر ان یکون العمل من احدھما والباقی من الاخر...... وکان وجوہ التابعین یتعاملون بالمزارعۃ ویدل علی الجواز حدیث معاملۃ اھل خیبر۔**[۵۳]

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مساقاۃ کا لفظ جو حدیثوں میں آتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ درخت کسی شخص کی ملکیت ہوں اور اُن کو پانی دینے کا کام یا دوسری خدمات کسی اَور شخص کے سپرد ہوں اِس شرط پر کہ پھل وہ آپس میں بانٹ لیں گے۔ اور مزارعت یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک کا ہو اور محنت اور جانور وغیرہ دوسرے کے ہوں اور پھر فصل آپس میں بانٹ لی جائے۔ اور مخابرت یہ ہے کہ زمین ایک کی ہو اور بیج اور جانور اور محنت دوسرے کی ہو۔ اور ایک قسم اَور بھی ہوتی ہے کہ صرف محنت ایک شخص کی ہو اور باقی سب اخراجات اور زمین دوسرے کے ہوں۔ تابعیوں میں سے جو بڑے بڑے تابعی تھے وہ لوگ اوپر جو مزارعۃ کی قسم لکھی ہے اُس پر عمل کیا کرتے تھے اور اہلِ خیبر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ کیا اُس سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اوپر کی روایات سے ثابت ہے کہ غیر مشروط طور پر صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہی بٹائی ناجائز ہے باقی سب نے یا تو کلّی طور پر اِس کو جائز رکھا ہے یا مقیّد طور پر اِس کو جائز رکھا ہے۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ صرف امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں جو کلّی طور پر بٹائی کے خلاف ہیں اور یہ بھی واضح کر چکا ہوں کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اُن کے دونوں بڑے شاگرد اُن کے اِس فتویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ اِس کی سند میں علامہ نووی کا یہ حوالہ پیش ہے وہ فرماتے ہیں **المزارعۃ مختلف فیھا عندالحنفیۃ فابو حنیفۃ یقول انھا لاتجوز الابالذھب والورق وابویوسف و محمد یقولان بجوازھا مطلقا وقولھما ھوا لمفتی بہ**

فیالمذهب لان فیه توسعة علی الناس ۵۴؎ یعنی حنفیوں کے نزدیک زمین ٹھیکہ پر دینے کے متعلق اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چاندی اور سونے کے سِوا اور کسی رنگ میں مقاطعہ پر نہیں دی جاسکتی لیکن امام ابویوسفؒ اور امام محمد اِن کے دونوں شاگرد کہتے ہیں کہ مقاطعہ پر دینا کلّی طور پر جائز ہے اور اِنہی دونوں کے قول کے مطابق حنفیوں میں فتویٰ دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے خیبر کی روایت کی یہ توجیہہ کی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان تھا ۵۵؎ لیکن ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم احسان کے طور پر بھی کوئی ناجائز فعل تو نہیں کرسکتے تھے جو چیز منع تھی وہ ہر ایک کے لئے منع تھی۔

دوسری توجیہہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ شاید امام کو بیت المال اور لوگوں کے درمیان معاملات طے کرنے میں خاص حق حاصل ہونگے جو دوسرے لوگوں کو باہم معاملات میں حاصل نہیں۔ ۵۶؎

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو خود بھی تسلی نہیں کہ اصل وجہ کیا تھی کیونکہ وہ خود بھی تردّد ظاہر کرتے ہیں کہ شاید یہ وجہ ہو یا یہ وجہ ہو۔ اور شاید کے ساتھ تو کوئی نص صریح باطل نہیں ہوسکتی۔ ایک طرف نص ہے اور ایک طرف قیاس۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے دونوں چوٹی کے شاگرد اِس فتویٰ میں اُن کے خلاف تھے۔

یہ بھی غور طلب بات ہے کہ بٹائی کا طریق کیوں ناپسندیدہ ہے۔ اِس کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ یہی بیان کی جاتی ہے کہ اِس سے کسان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر یہ وجہ صحیح ہو تو یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ حکومت کے لئے تو یہ جائز ہو کہ وہ کسان کو نقصان پہنچائے لیکن عوام الناس کو جائز نہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں۔ اگر اس سے کسان کو نقصان پہنچتا ہے اور اِسی وجہ سے شریعت نے اِس کو منع فرمایا ہے تو حکومت زیادہ حقدار ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ احسان کرے اور اِس بات کی زیادہ پابند ہے کہ رعایا کو نقصان نہ پہنچنے دے۔ پس اگر بٹائی کے نادرست ہونے کی جو وجہ بتائی جاتی ہے وہ درست ہے تو پھر عوام الناس کے لئے خواہ بٹائی جائز ہوتی حکومت کے لئے بالکل ناجائز ہونی چاہیے تھی کیونکہ وہ عوام الناس کے حقوق کی محافظ ہے۔

اِس کی حیثیت بھائی بھائی کی نہیں بلکہ اُس کی حیثیت ایک مختارِ کار کی ہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین بٹائی پر دینا ثابت کرتا ہے کہ یہ وجہ درست نہیں ہے۔ اِسی طرح یہ امر بھی سوچنے کے قابل ہے کہ خیبر کی زمین سب کی سب حکومت کی نہ تھی بلکہ اس کا نصف صحابہ میں تقسیم ہو گیا تھا۔ پس اس زمین کا بٹائی پر دینا بتاتا ہے کہ حکومت کے علاوہ عوام بھی بٹائی پر زمین دے سکتے ہیں۔

بٹائی کے متعلق جو بعض اختلافات پائے جاتے ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں:۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بٹائی جائز تو ہے مگر بہتر یہ ہے کہ بیج کی ذمہ داری مالک پر ڈالی جائے یعنی وہ بیج کا دینا مالک پر واجب تو نہیں سمجھتے لیکن اِس بات کو پسندیدہ سمجھتے ہیں کہ مالک یہ ذمہ داری لے۔ ۵۷

مالکیوں کا یہ خیال ہے کہ ہر رنگ میں یہ بات جائز ہے مگر خود امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ اُسی زمین کا نکلا ہوا غلّہ بٹائی میں دیا جائے۔ امام مالک کے بعض اقوال میں یہ بھی ہے کہ غلّہ کے بدلہ میں خواہ وہ اُس زمین میں سے نہ بھی نکلا ہو بٹائی نہ کی جائے۔ لیکن اُن کے شاگردوں میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ نہیں نہ صرف بٹائی جائز ہے بلکہ اُس غلّہ کے ساتھ بھی بٹائی جائز ہے جو اُس زمین سے پیدا ہوا ہو۔ ۵۸

شافعیہ میں بھی اِسی طرز پر اختلاف ہے بعض اِس کو ناجائز قرار دیتے ہیں بعض باغ اور زمین کو اکٹھا دینا جائز سمجھتے ہیں اور بعض مطلق زمین کو دینا جائز سمجھتے ہیں۔ ۵۹

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایسی زمین جس میں کچھ درخت ہوں بٹائی پر دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ گو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً بٹائی ناجائز ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مشروط طور پر جائز ہے اور امام احمد حنبلؒ اور امام بخاریؒ اور امام مسلم اور علّامہ ابن حزم اور تمام اہلِ حدیث اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دونوں بڑے شاگرد اور شافعیوں کے تمام بڑے علماء اور مالکیوں میں سے بھی ایک بڑا حصہ مزارعت کو مطلقاً جائز سمجھتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جن کو گویا خلافت کا دوبارہ احیاء کرنے والا سمجھا جاتا تھا وہ بھی غلّہ کی بٹائی کے طریق کو جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ محلّٰی شرح محلّٰی کتاب المزارعۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے

اپنے گورنروں کو لکھا کہ تمام اُفتادہ زمین مقاطعہ پر دے دو۔ چوتھے حصہ پر لگ جائے تو چوتھے حصہ پر لگا دو، تیسرے حصہ پر لگ جائے تو تیسرے حصہ پر لگا دو، پانچویں حصہ پر لگ جائے تو پانچویں حصہ پر لگا دو۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص زمین کاشت کرنے والا نہ ملے تو اگر کوئی دسواں حصہ دے کر ہی کاشت کرنے پر راضی ہو جائے تو دسویں حصہ پر ہی زمین دے دو لیکن زمین کو خالی نہ چھوڑو۔ اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء اور آپ کے صحابہؓ سے عملاً یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے غلّہ کی بٹائی پر زمین مقاطعہ پر دی۔

اب رہا دوسرا طریق یعنی نقدی پر زمین کا دینا سو جیسا کہ بتایا جا چکا ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو درحقیقت یہی صورت جائز ہے، بٹائی جائز نہیں۔ اور طاؤس کے نزدیک بٹائی ہی جائز ہے روپیہ پر دینا مکروہ ہے۔ بہرحال اِس امر کی تائید میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث موجود ہیں چنانچہ رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زمین تین طرح پر کاشت کی جاسکتی ہے۔ ایک تو اِس طرح کہ کوئی شخص خود زمین کاشت کرے۔ دوسرے اِس طرح کہ کسی اَور نے اُس کو زمین دی ہو اور وہ کاشت کرے۔ تیسرے اِس طرح کہ زمین چاندی اور سونے کے بدلہ میں مقاطعہ پر لے کر کاشت کی جائے۔[۶۰]

فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے کہ **قد اطلق ابن المنذر ان الصحابة اجمعوا علی جواز کراء الارض بالذھب والفضة...... و نقل ابن بطال اتفاق فقھاء الامصار علیه** یعنی ابن المنذر نے قطعی طور پر لکھا ہے کہ صحابہؓ اِس امر پر متفق تھے کہ سونے اور چاندی کے بدلہ میں زمین مقاطعہ پر دینی جائز ہے۔ اور ابن بطال نے بھی لکھا ہے کہ تمام مختلف ممالک کے علمائے اسلام اِس بات پر متفق ہیں کہ سونے چاندی کے بدلہ میں زمین مقاطعہ پر دینی جائز ہے۔ باقی رہا کسی کو زمین مفت بلا مبادلہ کاشت پر دینا سو اِس کے متعلق کسی کو شبہ ہی نہیں ہو سکتا یہ احسان ہے اور احسان کو اسلام ردّ نہیں کرتا۔

نواں باب

کیا حکومت کسی کے مال پر جس میں زمین بھی شامل ہے جبراً قبضہ کر سکتی ہے؟

آجکل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بے شک ایک انسان اِس قدر زمین کا مالک بھی ہوسکتا ہے کہ جس کو وہ خود کاشت نہ کرسکتا ہو اور مقاطعہ پر بھی دے سکتا ہے لیکن اگر کسی وقت حکومت مصلحتِ مُلکی کے مطابق چاہے تو اُس سے وہ زمین ضبط بھی کرسکتی ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ اسلام کی رو سے ایسا کرنا ویسا ہی غصب ہوگا جیسا کوئی غیر حاکم کسی دوسرے کی زمین چھین لے۔ پہلی دلیل تو اِس کی یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور تمام مسلمانوں کے استعمال میں آنے والی مسجد کے لئے مدینہ میں زمین خریدنی چاہی۔ بحقِ حکومت آپؐ نے ضبط کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ دوسرے اِس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کئی احادیث بھی مروی ہیں جن سے زمین کا ضبط کرنا ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ رافع بن خدیج جن کی روایت پر آجکل بہت کچھ مدار رکھا جاتا ہے ان سے کتب احادیث میں ایک روایت ان الفاظ میں آتی ہے۔ **قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من زرع بارض قوم بغیر اذنھم فلیس لہ من الزرع شیئ ولہ نفقتہ**[۶۱] یعنی جو شخص کسی زمین پر زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر کاشت کرے اُس کو فصل کا کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ صرف اُس کا جو خرچ ہے وہ اُس کو دلوایا جائے گا۔

اِسی طرح سعد بن زیدؓ سے روایت ہے کہ **قال رسول اللّٰہ** صلی اللہ علیہ وسلم **من اخذ شبرا من ارض بغیر حق طوقہ من سبع ارضین**[۶۲] جو شخص کسی کی زمین بغیر حق کے لے لے تو سات زمینوں کا طوق اُس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

ائمہ اسلام نے اِس بارہ میں یہ لکھا ہے کہ وہ آباد زمین جس کا مالک معلوم ہو بادشاہ کو اُس

میں کسی قسم کا دخل دینے کا حق نہیں۔ سوائے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے جو اُس زمین پر مقرر ہے۔ [۶۳]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے عبدالمالک سے پوچھا کہ میری حکومت سے پہلے جو خلفاء نے بعض لوگوں کی زمینیں چھین لی تھیں ان کے متعلق لوگ مطالبہ کرتے ہیں تمہاری اس بارہ میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ فوراً یہ زمینیں واپس کریں ورنہ جن لوگوں نے ان پر پہلے خلفاء کے احکام کے ماتحت قبضہ کیا ہوا ہے آپ بھی ان کے گناہ میں شریک ہونگے۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فوراً ان جائدادوں کو واپس کرنے کا حکم جاری فرما دیا۔ [۶۴]

ردّالمختار شامی جو حنفیوں کی نہایت ہی مستند کتاب ہے اِس کی جلد ۵ صفحہ ۳۵۵ پر لکھا ہے کہ ملک الظاہر بیبرس (BAYBARS) [۶۴A] جو مصر کا بادشاہ تھا اُس نے احکام جاری کئے کہ ہر زمیندار ثبوت پیش کرے کہ جو زمین اُس کے پاس ہے وہ اُس کی ملکیت ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو وہ زمین اُس سے چھین لی جائے گی۔ اِس پر شیخ الاسلام امام نووی کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ بالکل جاہلانہ ہے اور محض بغض پر مبنی ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے علماء میں سے کسی ایک کے نزدیک بھی ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ جس کی ملکیت میں کوئی زمین ہو وہی اُس کا مالک ہے۔ اُس کا قبضہ ہی اُس کے مالک ہونے کا ثبوت ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ اُس پر کوئی اعتراض کرے اور نہ یہ کہ اُس سے ثبوت طلب کرے کہ کسی زمانہ میں یہ زمین تمہارے پاس کس طرح آئی تھی (کیونکہ یہ مقدمہ اُس شخص کی طرف سے ہوسکتا ہے جسے اُس کا اصل مالک ہونے کا دعویٰ ہو نہ کہ حکومت کی طرف سے۔) امام نووی بادشاہ کو برابر اِس بارہ میں ملامت کرتے رہے اور وعظ و نصیحتیں کرتے رہے یہاں تک کہ اُس نے اِس حکم کو واپس لے لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت میں آتا ہے کہ جب انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے ماتحت یہودیوں اور عیسائیوں کو یمن سے نکالا تو آپ نے اُن کی زمینیں ضبط نہیں کیں بلکہ اُن کی زمینیں خرید یں۔ [۶۵]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اِس مسئلہ میں اتنے متشدد تھے کہ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ بغداد

جس زمین پر آباد کیا گیا ہے وہ دوسرے لوگوں کی ملکیت تھی اور حکومت نے ضبط کی تھی اور اس کی مناسب قیمت ادا نہیں کی تھی تو آپ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیّت کی کہ جو قبرستان اس زمین میں واقع ہے مجھے اُس میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ میں اُس زمین میں دفن ہونا ناجائز سمجھتا ہوں جو بغیر مناسب قیمت دینے کے حکومت نے ضبط کر لی ہو۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو بغداد کے قبرستان سے باہر کے علاقہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کے وقت کا خلیفہ منصور عباسی خود بھی آپ کا جنازہ پڑھنے کیلئے گیا اور اُس نے آپ کا جنازہ پڑھا۔ جب بعد میں اُسے آپ کی وصیّت سنائی گئی تو اُس نے جھنجھلا کر کہا کہ اِس شخص نے زندگی میں بھی مجھے ستایا اور مرتے ہوئے بھی مجھے دکھ دے گیا۔ [۶۶]

اسی طرح امام ابو یوسف جو امام ابوحنیفہؒ کے چوٹی کے شاگرد سمجھے جاتے تھے اور سب سے پہلے شیخ الاسلام تھے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو زمین بھی سواد کے علاقہ (یعنی عراق) میں سے خلفائے اربعہ نے کسی کو دی ہو بعد میں آنے والے خلفاء میں سے کسی کا حق نہیں کہ اُس زمین کو واپس لے سکے یا اُس شخص سے واپس لے سکے جس نے اُس کو خریدا ہو یا اُس کو ورثہ میں پایا ہو۔ اور جو زمین اس طرح بادشاہ کسی کے ہاتھ سے لے کر کسی اَور کو دے دے اُس کی حالت ویسی ہی ہوگی جیسے کوئی شخص ایک کا حق چُرا لیتا ہے اور دوسرے کو دے دیتا ہے اور یہ بات کسی بادشاہ کے لئے جائز نہیں۔ اِسی طرح کسی بادشاہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایک مسلمان سے کوئی چیز لے کر دوسرے مسلمان کو دے دے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی غیر مسلم رعایا سے کوئی چیز چھین کر کسی دوسرے کو دے دے۔ اور کوئی چیز کسی کے ہاتھ سے بغیر حق کے نہیں لی جا سکتی [۶۷] اور حق کی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ جو چیز ورثہ سے ملے یا ہبہ سے ملے یا خریدی جائے یا وقف کی صورت میں کوئی چیز کسی کے سپرد کی جائے یا نص احکامِ شرعیہ کے ماتحت اُس پر قبضہ کیا جائے۔ جیسے زکوٰۃ، عُشر یا لاوارثی وغیرہ۔ اِن پانچ صورتوں کے علاوہ کوئی چیز کسی شخص سے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتی۔

دسواں باب

اُن لوگوں کا جواب جن کے نزدیک بڑی زمینوں کی ملکیّت یا زمینوں کا بٹائی پر دینا جائز نہیں یا جن لوگوں کے نزدیک حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ ضرورت کے موقع پر زمینداروں سے زمینیں واپس لے لے

اب میں اُن لوگوں کے اعتراضات کو لیتا ہوں جو زمین کی ملکیّت کے بارے میں یہ پہلو اختیار کرتے ہیں کہ بڑی زمینوں کا رکھنا جائز نہیں، نہ زمین کا بٹائی پر دینا جائز ہے، نہ مقاطعہ پر دینا جائز ہے۔ یا تو انسان خود کاشت کرے یا لوگوں کو مفت کاشت پر دے دے اور یہ کہ قرآن کریم کی نص سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین خدا تعالیٰ کی ملکیّت ہے اور اُس نے سب بندوں کے لئے اِس کو پیدا کیا ہے اور چونکہ زمین کو اُس نے سب بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے کسی ایک شخص کے ہاتھ میں بہت سی زمین جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ اِس سے دوسرے حصہ داروں کو نقصان پہنچتا ہے۔

جہاں تک اِس سوال کا تعلق ہے کہ زمین خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کے لئے پیدا کی ہے اس لئے بہت بڑی زمین کسی ایک ہاتھ میں جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ اِس سے دوسروں کے حقوق کو نقصان پہنچتا ہے اِس کا جواب مَیں پہلے باب میں دے آیا ہوں اور ثابت کر چکا ہوں کہ قرآن کریم کی رُو سے زمین ہی نہیں بلکہ تمام اشیاء خدا تعالیٰ نے تمام انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی ہیں۔ اگر اتنی زمین کسی شخص کے ہاتھ میں جمع نہیں ہوسکتی جس کی آمدن تین ہزار روپیہ ماہوار تک پہنچتی ہو تو یقیناً حکومت کسی شخص کو اتنی تنخواہ بھی نہیں دے سکتی جس کی مقدار تین ہزار روپیہ ماہوار تک پہنچتی ہو اور نہ کسی ڈاکٹر اور وکیل کو اجازت ہوسکتی ہے کہ وہ اِس حد سے

زیادہ کمائے جس حد تک کہ زمیندار کی آمدن کو محدود کیا جائے اور نہ کارخانہ داروں اور صنّاعوں کو ایسی اجازت ہوسکتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ کھیتی کے نہیں بلکہ زمین اور اس کی متعلقہ تمام اشیاء کے ہیں جس میں سونا، چاندی، روپیہ، اور سکّہ وغیرہ سب شامل ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جائداد کے خالی پڑا رہنے کے لئے قرآن کریم میں کوئی نص موجود نہیں صرف علماء نے قیاس کیا ہے اور روپیہ، چاندی اور سونے کے جمع نہ رکھنے کے متعلق قرآن کریم میں نص موجود ہے۔ روپیہ سکہ، سونا اور چاندی کے جمع رکھنے کو اِس لئے اہمیت دی گئی ہے کہ روپیہ سکّہ، چاندی اور سونا جمع رکھا جائے تو اِس سے دوسرے لوگ کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے لیکن زمین اگر پڑی رہے اور اس کو استعمال میں نہ لایا جائے تو اس میں خودرَو جھاڑیاں اور گھانس وغیرہ اُگ کر کچھ نہ کچھ فائدہ دنیا کو پہنچا دیتا ہے اس لئے شریعت نے روپیہ سکہ چاندی اور سونے کے جمع رکھنے کو زیادہ خطرناک جرم قرار دیا ہے اور اس کے متعلق نص اُتاری ہے لیکن زمین کا بے فائدہ پڑے رہنا چونکہ کم جرم ہے اس لئے اس کے متعلق کوئی نص نہیں اُتاری۔

زمین کو مال کے مطابق قرار دینے کی سند مندرجہ ذیل ہے:۔

حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **الارض عندی بمنزلة المال** [۶۸] یعنی زمین کے متعلق احکام میرے نزدیک وہی ہیں جو مال کے متعلق ہیں۔ یعنی جس طرح مال تجارت پر لگایا جاسکتا ہے یا صنعت وحرفت پر لگایا جاسکتا ہے اسی طرح زمین بھی مقاطعہ یا بٹائی وغیرہ پر دی جاسکتی ہے۔

امام محمد ابن سیرین جو تابعی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے اور بہت بڑے روحانی اور ظاہری عالم سمجھے جاتے تھے فرماتے ہیں۔ **الارض عندی مثل مال المضاربة** [۶۹] یعنی میرے نزدیک زمین کے احکام بھی ویسے ہی ہیں جیسا کہ تجارت پر لگائے جانے والے مال کے۔

امام ابن قیم تحریر فرماتے ہیں کہ زمین کے متعلق میرا نظریہ یہی ہے کہ **ھو نظیر دفع مال الی من یتجر فیه لجزء من الربح** [۷۰] یعنی زمین کی حیثیت میرے نزدیک وہی ہے جیسا کہ اُس مال کی جسے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے اِس لئے حوالے کردے کہ وہ اُس کے ساتھ

تجارت کرے اور اُس کے نفع کا ایک حصہ اُس کو دے۔

اِن حوالجات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن ائمہ نے تسلیم کیا ہے کہ اصل نص مال کے متعلق ہے اِس لئے زمین کے معاملہ کو مال پر قیاس کیا جاتا ہے۔ پس جبکہ اصل نص مال کے متعلق ہے اور زمین کے معاملہ کو اس پر قیاس کیا جاتا ہے تو یہ کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ زمین کے ذریعہ سے تو زیادہ روپیہ کمانا جائز نہیں لیکن روپیہ کے ذریعہ سے زیادہ مقدار میں روپیہ کمانا جائز ہے۔ کیونکہ ناجائز ہونے کی قیود شریعت نے نص کے ذریعہ سے مال پر لگائی ہیں زمین پر نہیں لگائیں اور فقہاء نے ان قیود کو زمین کی طرف قیاس اور اجتہاد کے ذریعہ سے منتقل کیا ہے۔ پس شریعت کا مسئلہ یہ ہوگا کہ اصل حرمت مال کے متعلق ہے اور اجتہاداً ہم اس کو زمین کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ پس جو چیز ہم تجارت اور صنعت وحرفت کے متعلق جائز قرار دینگے وہ لازماً اور بدرجہ اولیٰ زمین کے متعلق جائز ہوگی۔

یہ کہنا کہ زمین کا کسی ایک شخص کے پاس ہونا دوسرے افراد کو کمائی سے روکتا ہے اِس لئے اِس بات کو روکنا چاہئے۔ اگر یہ استدلال درست ہے تو بڑی تجارت اور بڑی صنعت وحرفت اور بڑی تنخواہیں بھی سامانِ معیشت کو دوسرے لوگوں تک پہنچنے سے روکتی ہیں بلکہ جتنی زمین ایک شخص کے پاس رہنے دینے کی تجویز بعض لوگ کر رہے ہیں اِس کی آمد کو مدنظر رکھتے ہوئے تو معمولی تجارت اور معمولی صنعت وحرفت کی اجازت بھی کسی شخص کو نہیں دی جاسکتی۔

مندرجہ بالا خیالات کے لوگوں کی طرف سے قرآن کریم کی یہ آیت اپنی تائید میں پیش کی جاتی ہے۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ [ا‌ے]

یعنی اے انسانو! کیا تم اُس خدا کی صفات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو اوقات میں پیدا کیا اور اُس کے شریک اور مثیل بناتے ہو حالانکہ وہ تمام جہانوں کو پیدا کر کے اُنہیں ترقی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور اُس نے (یعنی خدا تعالیٰ نے) زمین میں پہاڑ بنائے ہیں اور

زمین میں بہت سی کانیں وغیرہ پیدا کی ہیں اور اس میں ان تمام اشیاء کو بقدر اندازہ مہیا کیا ہے جو اس کے اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کے لئے قیام کا موجب ہیں اور یہ سب کچھ اُس نے چار وقتوں میں پیدا کیا ہے اور تمام جستجو کرنے والوں کے لئے برابر مواقع بہم پہنچائے ہیں۔

نیز ایک ادنیٰ تدبّر سے بھی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس آیت سے اوپر کا استدلال نکالنا بالکل غلط ہے۔ اِس آیت سے اس بارہ میں جو کچھ نکلتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ:۔

(۱) زمین اور اس کی تمام کانیں اور اس کی تمام زراعت اور اُس سے پیداوار ہونے والی یا اُس کے نیچے جمع ہونے والی ساری کی ساری اشیاء خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

(۲) یہ کہ تمام جستجو کرنے والوں کے لئے اس میں برابر کے حقوق ہیں۔

اس مضمون سے یہ کہاں نکلتا ہے کہ زمین میں سب انسان برابر کے حقدار ہیں۔ اگر اس سے کچھ نتیجہ نکلتا ہے تو یہ کہ ان چیزوں میں سب انسان برابر کے حقدار ہیں۔ لیکن کیا زمین کو تقسیم کرنے والے باقی چیزوں کو بھی تقسیم کرواتے ہیں؟ اگر اس آیت کا وہی مطلب لیا جائے جو کہ نکالا جاتا ہے تو پھر زمین کا سارا لوہا لوگوں میں برابر تقسیم ہونا چاہیئے، زمین کی ساری لکڑی لوگوں میں برابر تقسیم ہونی چاہیئے، زمین کا سارا پانی لوگوں میں برابر تقسیم ہونا چاہیئے، زمین کا سارا مٹی کا تیل اور پٹرول لوگوں میں برابر تقسیم ہونا چاہیئے، زمین کی ساری روئی لوگوں میں برابر تقسیم ہونی چاہیئے، زمین کی ساری گندم لوگوں میں برابر تقسیم ہونی چاہیئے، مگر کیا ایسا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے؟ جو بات عقل کے خلاف ہے وہ یقیناً قرآن کریم کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ خود آیت کا اگلا حصہ ہی اِن معنوں کو رد کرتا ہے اور اس آیت کے صحیح مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ سَوَآءً لِّلنَّاسِ تمام انسانوں کے لئے برابر ہے بلکہ یہ فرمایا کہ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ تمام جستجو کرنے والوں کے لئے برابر ہے۔ یعنی جو شخص بھی صحیح ذرائع کو کام میں لا کر زمین اور اس کی زراعت اور اس کی دھاتوں اور اس کی کانوں اور اس کی کیمیاوی اشیاء سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے گا۔ خدا تعالیٰ اُس کو اپنی اس جستجو میں ناکام نہیں کرے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ صحیح ذرائع کو ہندوستانی کام میں لائے تو کامیاب ہو جائے چینی کام میں لائے تو کامیاب نہ ہو یا عیسائی کام میں لائے تو کامیاب ہو جائے لیکن مسلمان

کام میں لائے تو کامیاب نہ ہو۔ یا یوروپین کام میں لائے تو کامیاب ہو جائے لیکن مشرقی کام میں لائے تو کامیاب نہ ہو۔ اور یہ حقیقت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور اس آیت میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ خدا ایک ہے اور کافر و مومن کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ مشرک و موحد کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ اگر دنیا کے کئی خدا ہوتے تو دنیا میں مختلف لوگوں کے لئے مختلف قواعد ہوتے ۔ کسی خدا کے ملک میں کچھ قانون ہوتا اور کسی خدا کے ملک میں کچھ قانون ہوتا۔ جیسے امریکہ کی دولت سے امریکن لوگ جس قدر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں ہندوستانی اُس قدر فائدہ نہیں اُٹھا سکتے ۔ اسی طرح ایک خدا کے ملک میں اُس کے عبادت گزار زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے اور دوسرے لوگ اجانب قرار دیئے جا کر اُس فائدہ سے محروم کر دیئے جاتے ۔ پس معلوم ہوا کہ خدا ایک ہے اور اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ۔ یہ مضمون لفظوں کے مطابق بھی ہے اور عقل کے مطابق بھی ہے اور حقیقت کے مطابق بھی ہے لیکن جو استدلال اِس سے زمینوں کی برابر تقسیم کے مدعی لوگوں نے کیا ہے وہ تو عقل کے بھی خلاف ہے، حقیقت کے بھی خلاف ہے اور آیت کے الفاظ کے بھی خلاف ہے۔ آخر کیوں خدا تعالیٰ نے یہاں انسان کا لفظ نہیں رکھا ہے جستجو کرنے والے کا لفظ کیوں رکھا ہے؟ اسی لئے کہ یہاں تقسیم کا ذکر نہیں تھا۔ یہاں قابلیت کے نتائج پیدا کرنے کا ذکر تھا اور قابلیت کے نتائج پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مختلف جستجو کرنے والوں میں فرق نہیں کیا جاتا خواہ اُن کا مذہب کوئی بھی ہو۔ اگر مسلمان سستی کرنے لگ جائیں اور قوانین قدرت سے فائدہ اُٹھانا چھوڑ دیں اور کفار چُست ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت سے فائدہ اُٹھانے لگ جائیں تو دُنیوی طور پر کفار ترقی کر جائیں گے اور مسلمان گر جائیں گے۔ پس اِس آیت سے اگر مسلمان فائدہ اُٹھانا چاہتے تو انہیں یہ فائدہ اُٹھانا چاہئے تھا وہ جھُوٹے توکّل کو کام میں لا کر سست نہ ہو جاتے ،علوم کو نہ چھوڑ دیتے ،صنعت وحرفت کی طرف سے توجہ ترک نہ کر دیتے اور سمجھتے کہ اِس آیت کے ماتحت دنیا کی دولتیں اور دنیا کے سامان ہمارے لئے مخصوص نہیں بلکہ جو بھی اس کے متعلق کوشش کرے گا اُس کو مل جائے گا۔ اگر اسلام کے دشمن کوشش کریں گے تو وہ اُن کو مل جائیں گے۔ اور اگر صرف مسلمان کوشش کریں گے تو اُن کو ملیں گے کفار کو نہیں ملیں گے۔ اور اگر دونوں کوشش کریں گے تو دونوں کو اپنی اپنی محنت اور

کوشش کے مطابق نتیجہ مل جائے گا۔ پس ہمیں سست نہیں ہونا چاہئے۔

زمین کو برابر تقسیم کرنے کے مدعی اس بات سے بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں اس قانون سے یہ نتیجہ نہ نکال لیا جائے کہ ذاتی قابلیت کی کوئی قیمت اِسلام تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس سے ان کی اپنی تنخواہوں اور اپنے کاروبار اور اپنی صنعت وحرفت پر بھی اثر پڑتا ہے اِس لئے وہ یہ اصول بھی اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ اسلام نے ذاتی قابلیت کی قیمت کو تسلیم کیا ہے۔ اس لئے جو شخص ذاتی قابلیت سے کچھ کمائے وہ اُسی کا حق ہے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں وہ قرآن شریف کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۲ے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ پس وہ لوگ جن کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے غلاموں کو اپنا رزق اِس طرح نہیں دیتے کہ غلام کا اور ان کا حق اُس میں برابر ہو جائے۔ کیا اِس دلیل کے ہوتے ہوئے بھی مشرک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟

اس سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ذاتی قابلیت کے جوہر کی قیمت کو تسلیم کیا ہے پس زمین سے زیادہ کمانا تو ناجائز ہے لیکن ذاتی قابلیت سے زیادہ کمانا جائز ہے۔ مذکورہ بالا آیت بھی قرآن کریم میں شرک کے ردّ کے لئے آئی ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان اپنے مال اور اپنی جائیداد میں اپنے غلام کو برابر کا شریک نہیں بناتا تو خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی ملکیت میں برابر کا شریک بنا کر ان کو ایک معبود کا رُتبہ کس طرح دے سکتا ہے۔

جب مشرکین پر قرآن کریم میں اعتراض کئے گئے کہ شرک کا مسئلہ عقلاً کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا تو اُنہوں نے اپنے پیشرو مشرکین کی طرح شرک کی یہ تأویل کی کہ جس کو تم شرک کہتے ہو وہ شرک ہے ہی نہیں وہ تو کامل توحید ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کے سواء کوئی اور شخص بھی اپنی ذات میں دنیا کا حاکم ہے بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنے بعض مقرب بندوں کو اپنے اختیاراتِ حکومت سونپ دیئے ہیں اِس لئے جن لوگوں کی ہم پرستش کر رہے ہیں وہ پرستش درحقیقت خدا تعالیٰ ہی کی پرستش ہے پس یہ شرک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اِس

کے جواب میں فرماتا ہے کہ بادشاہ کے نائب یا ماتحت کو تو اِس لئے اختیار دیئے جاتے ہیں کہ بادشاہ ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ جہاں دونوں موجود ہوں یعنی بادشاہ بھی اُسی طرح موجود ہو جس طرح ماتحت۔ جیسے شاہی دربار ہوتا ہے کیا اس جگہ پر بھی بادشاہ کے اختیارات ماتحتوں کی طرف منتقل ہوتے ہیں؟ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے موقع پر تو کسی اور کو مخاطب کرنا بھی گستاخی سمجھا جاتا ہے۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اسے اس طرح اختیار سپرد کرنے کی ضرورت نہیں اور اس کے معاملہ میں نائب کی مثال درست نہیں بلکہ یہ مثال درست ہے کہ ایک آقا اپنے گھر میں اپنے غلام کو مساوی حقوق دیدے مگر ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ دور کے علاقوں میں نیابت کے اختیارات دیئے جاتے ہیں مگر یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک بادشاہ اپنے غلام سے یہ کہے کہ تمہیں میری بیوی بچوں پر یا گھر کے ساز و سامان پر یا نوکروں پر برابر کے اختیارات حاصل ہیں۔ اس طرح تو وہ دوعملی پیدا ہوگی کہ اندھیر آجائے گا اور مالک کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہے گی۔ پس یہ دلیل جو مشرک دیتے ہیں غلط ہے اور خدا تعالیٰ ہرگز کسی کو اختیارِ عبودیت عطا نہیں فرماتا کیونکہ وہ ذرّے ذرّے کا خود واقف ہے اور ذرّے ذرّے تک اُس کا اقتدار براہ راست پہنچتا ہے۔ اُس کو تحصیلیں اور ضلع اور گورنریاں بنانے کی ضرورت نہیں۔

اصل مفہوم تو اِس آیت کا وہ ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے لیکن ضمنی طور پر اس سے اور نتائج اخذ کرنا قرآنی اصول کے خلاف نہیں بلکہ درست ہے۔ پس اگر اِس آیت سے وہ معنے بھی نکلتے ہوں جو کہ زمین کو برابر تقسیم کرنے کے خواہشمند مگر ذاتی قابلیتوں کے نتائج میں امتیاز قائم رکھنے کو جائز سمجھنے والے لوگ نکالتے ہیں تو یقیناً میں اِس کو درست تسلیم کروں گا۔ لیکن ایک ادنیٰ تدبّر سے بھی یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ ان کے لئے ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ یہ استدلال ان کے پہلے استدلال کے مخالف پڑتا ہے۔ اور قرآن کریم کی کسی آیت کے وہ معنی نہیں لئے جاسکتے جو اس کی کسی دوسری آیت کو ردّ کرتے ہوں کیونکہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام میں اختلاف نہیں ہوسکتا بلکہ کسی معمولی عقلمند انسان کے کلام میں بھی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اگر مختلف ذاتی قابلیت رکھنے والے لوگوں میں مختلف مدارج کو ملحوظ رکھنا ہوگا تو پھر بڑی اور چھوٹی جائداد رکھنے والوں میں بھی مختلف مدارج کو ملحوظ رکھنا ہوگا کیونکہ سوال یہ ہے کہ بڑی

جائداد کسی شخص کے پاس آتی کس طرح ہے؟ ظاہر ہے کہ بڑی جائداد تین ہی جائز ذریعوں سے آسکتی ہے۔ اول اِس طرح کہ کسی نے کوئی بڑی جائداد خریدی ہو۔ اگر کسی نے کوئی بڑی جائداد خریدی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ بہت سے روپے کا مالک ہوگا، وہ روپیہ اُس نے اپنی ذاتی قابلیت سے ہی کمایا ہوگا۔ دوسرے تھوڑے سے روپیہ کے ساتھ وہ جائداد بڑھاتا چلا گیا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو یہ بھی ذاتی قابلیت کا ہی نتیجہ ہوگا۔ تیسرے ذاتی قابلیت سے پیدا کرنے والے کی جائداد کا وارث ہوکر۔

اگر شریعت نے ذاتی قابلیت کی قیمت کو تسلیم کیا ہے تو ذاتی قابلیت سے اعلیٰ نوکری پر پہنچنے والا اور ذاتی قابلیت سے اعلیٰ تجارت حاصل کرنے والا اور ذاتی قابلیت سے اعلیٰ صنعت وحرفت کا مالک ہونے والا اور ذاتی قابلیت سے زیادہ زمین کا مالک ہونے والا برابر ہیں، ان میں امتیاز کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ زمین بھی نتیجہ ہے ذاتی قابلیت کا، اور عہدہ بھی نتیجہ ہے ذاتی قابلیت کا اور تجارت بھی نتیجہ ہے ذاتی قابلیت کا۔ اور صنعت وحرفت بھی نتیجہ ہے ذاتی قابلیت کا، اگر کہا جائے کہ ہم تو اس شخص کے متعلق بات نہیں کرتے جس نے کہ ذاتی قابلیت کے ماتحت بہت سی زمین حاصل کر لی ہو بلکہ ہم تو اُن اشخاص کا ذکر کرتے ہیں جن کو ورثہ میں زمین ملی ہو تو اس پر بھی وہی اعتراض ہوتا ہے کیونکہ اگر ورثہ میں بڑی زمین مل جانے پر اعتراض ہے تو ورثہ میں بڑی کوٹھی مل جانے پر بھی اعتراض ہونا چاہئے۔ ورثہ میں بڑی تجارت مل جانے پر بھی اعتراض ہونا چاہئے۔ ورثہ میں بڑی صنعت وحرفت مل جانے پر بھی اعتراض ہونا چاہئے۔ آخر جو شخص تین یا چار یا پانچ ہزار روپیہ گورنمنٹ سے تنخواہ لیتا ہے۔ کیا اُسے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ساری کی ساری رقم ماہوار خرچ کر دے؟ یا اسے اجازت ہوتی ہے کہ وہ بچے ہوئے روپیہ سے کوٹھیاں اور مکان خریدے؟ یا صنعت وحرفت کے کارخانوں کے حصے خریدے؟ یا بنک میں روپیہ جمع کرا دے؟ اور اگر شریعت کا پابند نہیں تو اس کے سود سے فائدہ اُٹھائے؟ اور اگر اسے یہ اجازت ہوتی ہے اور واقعہ میں ایسی اجازت ہے تو کیا ان کوٹھیوں اور مکانوں اور دکانوں اور تجارتی حصوں اور کارخانوں کے حصوں کی وارث اِس کے بعد اُس کی اولاد ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ اگر اُس کی اولاد اس کے بعد وارث ہوتی ہے حالانکہ اس کمائی میں اولاد کی ذاتی قابلیت

کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو پھر اگر کسی شخص نے ذاتی قابلیت سے بہت سی زمین خرید لی تو اُس کی اولاد اس کی کیوں وارث نہیں ہوسکتی۔ قرآن شریف میں ذاتی قابلیت کو اگر تسلیم کیا ہے تو جس طرح وہ نوکری اور تجارت اور صنعت وحرفت میں تسلیم کی جائے گی اسی طرح زمین کے متعلق بھی تسلیم کی جائے گی۔ اور اگر ذاتی قابلیت رکھنے والے انسان کی متروکہ جائداد کی اولاد جائز وارث ہوسکتی ہے تو پھر جس طرح نوکری کی آمد سے پیدا کی ہوئی جائداد کی اولاد جائز وارث ہو سکتی ہے یا تجارت اور صنعت وحرفت سے پیدا کی ہوئی جائداد کی اولاد جائز وارث ہوسکتی ہے اسی طرح ذاتی قابلیت سے پیدا کی ہوئی زمینوں کی بھی اولاد جائز وارث ہوسکتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم ان لوگوں کے متعلق بھی گفتگو نہیں کر رہے جن کے باپ دادوں نے جائداد خریدی تھی بلکہ ہم تو ان لوگوں کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جن کی جائدادوں کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ جائدادیں ان کو کس طرح ملیں یا جن کو حکومت نے جائدادیں بخشیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ بات غلط ہے کہ یہ لوگ صرف ان لوگوں کے متعلق بحث کر رہے ہیں جن کی جائدادوں کے متعلق علم نہیں کہ وہ کیسے حاصل ہوئی تھیں یا جن کی جائدادیں حکومت کی عطا کردہ ہیں۔ اس مسئلہ پر جتنی بحثیں کی گئی ہیں ان میں قطعی طور پر کوئی استشناء نہیں کیا گیا اور جائدادیں خریدنے والے اور ورثہ میں لینے والے اور گورنمنٹ سے حاصل کرنے والے سب کو برابر قرار دیا گیا ہے لیکن اگر یہ لوگ یہ امتیاز اور فرق تسلیم کر لیں تب بھی ان کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ جیسا کہ میں اوپر ثابت کر چکا ہوں کوئی حکومت اپنے سے پہلے زمانہ کی ملکیتوں پر نئے سرے سے بحث نہیں اُٹھا سکتی۔

پہلا ثبوت تو اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ملتا ہے۔ آپ نے اپنے زمانہ کے صاحب جائداد لوگوں کے متعلق ہرگز یہ سوال نہیں اُٹھایا کہ اُن کو یہ جائداد کس ذریعہ سے حاصل ہوئی۔ جائز ذریعہ سے یا ناجائز ذریعہ سے۔ کیونکہ ایک لمبے عرصہ کے بعد کوئی شخص اس بات کو ثابت ہی نہیں کر سکتا کہ اس کے باپ دادا کو جائداد کہاں سے ملی تھی۔ پس شریعت نے ایسے پرانے قبضہ کو جائز قبضہ قرار دیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑی جائدادیں تھیں ہی نہیں۔ چونکہ بڑی جائدادیں نہیں تھیں اس لئے ان

کے متعلق اس قسم کی بحث اُٹھانے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکا تھا تو یہ عذر بھی درست نہیں ہوگا اس لئے کہ خود ان معترضین نے تسلیم کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے پاس ایسی جائدادیں موجود تھیں جو ان کو کافر ماں باپ کی طرف سے ورثہ میں ملی تھیں مگر جن کو وہ اکیلے کاشت نہیں کر سکتے تھے اور وہ زمینیں انہیں دوسرے لوگوں کو کاشت پر دینی پڑتی تھیں اور یہ لوگ مدینہ منورہ کے رہنے والے انصار تھے۔ ان معترضین نے خود وہ حدیثیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ میں رہنے والے انصار اپنی ساری زمینیں خود کاشت نہیں کر سکتے تھے اور وہ دوسروں کو زمین کاشت پر دے دیا کرتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے انہیں نہیں منع فرمایا۔ اس سوال کو الگ رکھ کے کہ آیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا یا نہیں کیا؟ یا اگر منع کیا تو کس بات سے منع کیا۔ (اس امر پر میں بحث آگے چل کر کروں گا) ان احادیث سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ مدینہ کے بعض انصار کے پاس اتنی زیادہ زمینیں تھیں کہ وہ خود اُن کو کاشت نہیں کر سکتے تھے اور دُوسروں کو کاشت کے لئے دینے پر مجبور تھے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو پھر یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنی زمین کے متعلق ثابت کریں کہ ان کے باپ دادوں کو وہ زمین کس جائز ذریعہ سے ملی تھی ورنہ وہ زمین سرکاری زمین سمجھی جائے گی اور بحق سرکار ضبط ہو کر ان کے پاس اتنی ہی زمین رہنے دی جائے گی جس کی وہ خود کاشت کر سکیں باقی دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے کی حاصل کردہ جائدادوں کی ملکیت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرمایا ہے۔

دوسری دلیل اِس کی تائید میں امام نووی کا فیصلہ ہے وہ بھی میں نویں باب میں درج کر آیا ہوں۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مصر کے بادشاہ بیبرس (BAYBARS) نے اپنے زمانہ کی زمینوں کو اِسی بناء پر ضبط کرنا چاہا کہ لوگ ثابت کریں کہ ان کے باپ دادا کو وہ زمینیں جائز ذرائع سے حاصل ہوئی تھیں ورنہ ان کی زمینیں ضبط کی جائیں گی۔ اِس پر علامہ نووی نے اُس کے خلاف احتجاج کیا اور ثابت کیا کہ تمام علمائے اسلام اِس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص جس جائداد پر قابض ہے وہ اُس کا مالک سمجھا جائے گا سوائے اِس کے کہ کوئی دوسرا مدعی اُس پر نالش

کر کے اپنا حق ثابت کرے۔ پس اس معاملہ میں چونکہ حکومت مدعی ہے حکومت ثابت کرے کہ فلاں شخص کے پاس جو جائداد ہے وہ اُس کی نہیں بلکہ حکومت کی ہے اور اُس نے اُس پر ناجائز اور ناواجب قبضہ کیا ہے۔ زمین کے قابض کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ دلیل دے کہ وہ زمین اس کے پاس جائز طور پر آئی ہے۔ اُس کا قبضہ ہی اِس بات کا ثبوت ہے کہ قبضہ جائز ہے۔ اگر قبضہ جائز نہیں تھا تو کیوں نہیں زمین کا مالک بولا اور کیوں نہیں اِس کے خلاف اس نے کوئی کارروائی کی۔ اِس حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دیرینہ قبضہ کے درست ہونے کو جس طرح موجودہ حکومتیں تسلیم کرتی ہیں اسی طرح اسلام کا قانون بھی تسلیم کرتا ہے۔

اگر زمین کی برابر تقسیم کے مدعی سرکاری عطیات کے متعلق اپنے اعتراضات محدود کر دیں تو بھی ان کا خیال درست نہیں کیونکہ یہ بھی میں چھٹے باب میں ثابت کر آیا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لوگوں کو اتنی اتنی زمینیں دیں جن کی وہ خود کاشت نہیں کر سکتے تھے بلکہ جن کے ہزارویں حصہ کے کاشت کرنے کی بھی ان میں طاقت نہیں تھی۔ اسی طرح بعد میں خلفاء نے بھی لوگوں کو ایسے عطیے عطا کئے اور اسلامی بادشاہوں نے بھی لوگوں کو ایسے عطیے دیئے مگر کبھی بھی ان کو ناجائز قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ جیسا کہ میں نویں باب میں ثابت کر چکا ہوں امام ابو یوسف کا یہ فتویٰ ہے کہ اس قسم کے عطیات واپس لینے کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص سے جس کو حکومت نے عطیۃً کوئی زمین دی ہو یا اس کی اولاد سے زمین واپس لے لے تو وہ ویسا ہی غاصب سمجھا جائے گا جیسا کہ ہر ذاتی ملکیت کا غصب کرنے والا۔ (دیکھو نواں باب بعنوان کیا حکومت کسی کے مال پر جس میں زمین بھی شامل ہے، جبراً قبضہ کر سکتی ہے؟)

اصل سوال تو یہ ہے کہ آیا اسلام اتنی زمین سے زیادہ جس پر انسان خود ہل چلا سکے کسی کو زمین رکھنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ جس بات کی اسلام اجازت دیتا ہے اُسے گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ خلافِ قانون قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جب کوئی چیز نہ گناہ ہے نہ خلافِ قانون تو اُس کی ضبطی جائز نہیں ہو سکتی۔

معترضین اِس جگہ پر تین حوالے پیش کیا کرتے ہیں جن سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر کسی

شخص کے پاس اتنی زمین ہو کہ وہ اُسے آباد نہ کر سکے تو وہ زائد زمین یا تو اپنے بھائیوں کو مفت کاشت کرنے کے لئے دے دے یا حکومت اُس سے وہ زمین ضبط کر لے اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دے۔ ان میں سے پہلا حوالہ رافع بن خدیج ؓ کی حدیث کا پیش کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث بخاری میں درج ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ **عن رافع بن خدیج قال نھا نا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امرٍ کان لنا نافعًا اذا کانت لاحد نا ارض ان یعطیھا ببعض خراجھا اوبد راھم وقال اذا کانت لا حدکم ارض فالیمنحھا اخاہ اولیزرعھا۔** [۳۷] یعنی حضرت رافع بن خدیج ؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسی بات سے منع فرمایا جو ہمارے لئے نفع بخش تھی اور وہ یہ کہ جب ہم میں سے کسی کے پاس زیادہ زمین ہوتی تھی تو وہ کسی دوسرے شخص کو بٹائی یا روپیہ کے بدلہ میں زمین دے دیتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس زمین ہو تو یا تو اُسے اپنے بھائی کو کاشت کرنے کے لئے مفت دے دیا کرو یا خود کاشت کیا کرو۔

اسی طرح رافع بن خدیج ؓ سے یہ روایت بھی آتی ہے۔ **ان رسول اللّٰہ ﷺ اتی بن حارثۃ فرأ ی زرعا فی ارض ظھیر فقال ما احسن زرع ظھیر قالوا لیس لظھیر قال الیس ارض ظھیر قالوا بلی ولکنہ زرع فلان ۔ قال فخذوا زرعکم وردوا علیہ النفقۃ قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا الیہ النفقۃ۔** [۳۸] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اس جگہ پر آئے جہاں بنوحارثہ کی زمینیں تھیں۔ آپ نے ایک کھیتی دیکھی جو ظہیر کی زمین میں تھی اور فرمایا ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ ظہیر کی تو نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ زمین ظہیر کی نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں زمین تو ظہیر کی ہے لیکن اس میں فلاں شخص نے کھیتی کی ہے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی کھیتی لے لو اور اِس کا خرچ اُس کو دے دو۔ رافع کہتے ہیں اِس پر ہم نے فصل لے لی اور اُس کا خرچ اُسے دے دیا۔

ایک روایت رافع بن خدیج ؓ سے اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ **عن عمہ ظھیر بن رافع قال ظھیر لقد نھانا رسول اللّٰہ ﷺ کان بنا رافقا قلت ما قال رسول اللّٰہ ﷺ۔ قال ماتصنعون بمحا قلکم؟ قلت نؤاجرھا علی الربیع و علی الا وسق من**

التمر والشعیر قال لا تفعلوا ازرعوھا او ازرعوھا او امسکوھا [۵] یعنی رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا ظہیر بن رافع سے سنا آپ فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسی بات سے روکا جو ہمارے لئے بڑی سہولت والی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ کیا بات تھی؟ تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی زمینوں کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہم ان کو اس شرط کے ساتھ ٹھیکہ پر دے دیتے ہیں کہ ربیع ہماری اور کچھ کھجوریں اور کچھ جَو ہمارے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا مت کرو۔ یا خود کھیتی کرو یا کسی کو کھیتی کرنے دو یا زمین بنجر چھوڑ دو۔

اِس قسم کی بعض اور روایات بھی مسلم اور دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ **نھی رسول اللّٰہ ﷺ ان یوخذ للارض اجر او حظ** [۶] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منع فرمایا کہ ہم زمین کے بدلہ میں کوئی روپیہ لیں یا اس میں سے کوئی حصہ لیں۔

اِنہی جابرؓ سے ایک اور روایت بخاری میں بھی درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

کانوا یذرعونھا بالثلث والربع والنصف فقال النبی ﷺ من کانت لہ ارض فلیزرعھا اولیمنحھا فان لم یعفل فلیمسک ارضہ [۷] یعنی ہم لوگ تیسرے یا چوتھے حصّہ پر یا نصف بٹائی پر زمین دیا کرتے تھے۔ یہ معلوم کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو یا تو وہ خود کھیتی کرے یا دوسرے کو مفت دے دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو پھر اپنی زمین خالی پڑی رہنے دے کسی کو نہ دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس بارہ میں ایک ایسی ہی روایت درج ہے۔

بظاہر اِن حدیثوں سے یہی معنی نکلتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو مقاطعہ پر دینے سے کلّی طور پر منع فرمایا ہے اور صرف یہی اجازت دی ہے کہ جو شخص خود کاشت نہیں کر سکتا وہ اپنے کسی بھائی کو مفت زمین کاشت کرنے کے لئے دے دے یا خالی پڑا رہنے دے۔ چونکہ زمین کا خالی رہنے دینا جبکہ اس کے لئے کاشتکار موجود ہوں اسلامی اصول کے خلاف ہے اس لئے اس نہی کے دوسرے معنے یہی نکلیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اِس امر کی

طرف توجہ دلاتے تھے کہ ان کو اس سے زیادہ زمین اپنے پاس نہیں رکھنی چاہیے جس کو کہ وہ خود کاشت کر سکیں۔ مگر جیسا کہ میں ابھی ثابت کروں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا اور اگر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے تو اس کا بھی وہ مفہوم نہیں جو سمجھا گیا ہے اور نہ جابر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کے وہ معنے ہیں جو بظاہر لفظوں سے نظر آتے ہیں۔

پہلی دلیل جو مَیں اصولی طور پر دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ میں اوپر چھٹے باب میں یہ ثابت کر آیا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو اتنا وسیع ٹکڑا زمین کا عطا فرمایا کہ ایک چھوڑ ہزار آدمی بھی اُس میں ہل نہیں چلا سکتا تھا۔ اس طرح حضرت زبیرؓ کو آپ نے اتنا بڑا ٹکڑا زمین کا عطا فرمایا جس کا رقبہ کئی مربعہ میل بنتا تھا۔ اس باب میں مَیں یہ بھی حدیث نقل کر چکا ہوں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بڑا ٹکڑا زمین کا طلب فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ٹکڑا اُن کو دیا۔ اگر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے وہی معنی ہیں جو ملکیت زمین کے مخالف لوگ پیش کرتے ہیں تو اوّل تو خود رافع کے خاندان کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا ورنہ آپ اُن سے زمین چھینتے کیوں نہ۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ ان کے پاس وہ زمین پہلے سے چلی آتی تھی اس لئے آپ نے اُن سے چھینی نہیں بلکہ نصیحت کر دی تو پھر اوپر کی روایتوں کا کیا جواب ہوگا۔

رافعؓ کے خاندان سے تو آپ نے اِس لئے زمین نہ چھینی کہ اُن کے پاس یہ زمین اسلام سے پہلے کی تھی۔ ہاں اشارہ فرما دیا کہ اتنی زمین رکھنی منع ہے مگر بلال رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو اِن سے بھی کئی سو گنے زیادہ زمین خود کیوں دے دی؟ کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بڑی زمین دیتے وقت یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایک ہل یا بیٹوں کے ہل ملا کر تین چار ہل بیسیوں مربع میل علاقہ میں کاشت نہیں کر سکتے۔ پھر کون مان سکتا ہے کہ اِس حکم کے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ جیسا مستغنی انسان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ینبع کے قصبہ کی زمین طلب فرمائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا انسان اِس ممنوع سوال کو قبول کر لے گا اور وہ

زمین اُن کو دے دیگا۔ میں نے رافع کی روایت میں چند الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا تھا۔ صرف عربی الفاظ ہی دُہرا دیئے تھے اور اس کی ایک وجہ تھی۔ وہ وجہ یہ تھی کہ زمین کی ملکیت کے مخالف لکھنے والوں میں سے ایک صاحب جنہوں نے گورنمنٹ کی کمیٹی میں اپنی رائے علیحدہ لکھ کر پیش کی ہے اُنہوں نے اِن احادیث میں آنے والے الفاظ ربیع اور اربعاء کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ہم چوتھے حصہ پر بٹائی کیا کرتے تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے منع فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب نے بجائے اصل حدیثیں دیکھنے کے کسی ناواقف شخص کے ترجمہ سے یہ حدیثیں اخذ کی ہیں ورنہ وہ اتنی بڑی غلطی نہ کرتے۔ ان احادیث میں جو ربیع اور اربعاء کے الفاظ آتے ہیں ان کے معنی چوتھے حصہ کے نہیں بلکہ ربیع کے معنے چھوٹی نہر کے ہوتے ہیں اور اربعاء اس کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چھوٹی نہریں۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہیرؓ سے سوال کیا کہ تم اپنی زمینوں کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ تو جو جواب حضرت ظہیر رضی اللہ عنہ نے دیا اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ ہم چوتھے حصہ پر بٹائی کرتے ہیں اور کھجور اور جَو کا کچھ وزن مقرر کر لیتے ہیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا بلکہ ظہیر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا اور یہی معنی عربی کے ہیں کہ ہم جس کو زمین بٹائی پر دیتے تھے اُس سے یہ شرط کر لیتے تھے کہ جو حصہ فصل کا نہروں کے کناروں پر آئے گا وہ سارا ہمارا ہوگا اور جو باقی بچے گا اُسے اُس کے بدلہ میں تم کچھ کھجوریں اور کچھ جَو جو پہلے مقرر کر دیئے جاتے تھے ہم کو دے دیا کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ طریق خالص جوئے بازی کا ہے۔ اوّل تو یہ فعل نہایت ظالمانہ ہے کہ پانی کے کنارے کی جو اعلیٰ فصل ہو اُس کو اپنے لئے مخصوص کر لیا جائے۔ دوسرے یہ بھی ناجائز فعل ہے کہ بغیر اِس علم کے کہ زمین سے کیا پیدا ہوگا اور کیا نہیں ہوگا قبل از وقت کچھ مقدار غلّہ کی اور کچھ کھجور کی مقرر کر لی جائے کہ یہ تم نے ہم کو ضرور دینی ہے خواہ فصل پیدا ہو یا نہ ہو۔

یہ استدلال میرا نہیں بلکہ خود رافع بن خدیجؓ نے دوسری حدیثوں میں اس کی تشریح کردی ہے چنانچہ رافع بن خدیجؓ کی ایک حدیث ان الفاظ میں کتابوں میں آتی ہے۔ **حدیثنی عمای انهما کانا یکریان علی عهد رسول اللہ ﷺ بما ینبت علی الاربعاء وشی ء یستثنیه صاحب الارض فنهی النبی ﷺ عن ذالک** ۸؎ یعنی رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ مجھ

سے میرے دونوں چچوں نے ذکر کیا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین مقاطعہ پر دیا کرتے تھے اور شرط یہ ہوتی تھی کہ جو فصل پانی کی نالیوں کے کنارے پر ہو اور جو فصل اُن ٹکڑوں پر ہو جن کو زمین کا مالک خود پسند کرے وہ اُس کی ہوگی اور باقی مزارع کی ہوگی اِس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا۔

اس حدیث میں بھی اربعاء کا لفظ ہے جو ربیع کی جمع ہے اور اس کے معنے چوتھے حصے کے نہیں بلکہ پانی کے نالوں کے کناروں کی فصل کے ہیں۔ چنانچہ یہ حدیث جہاں بخاری میں آتی ہے وہاں اسکی شرح میں علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں **الاربعاء جمع ربیع وھو النھر الصغیر والمعنی انھم کانوا یکرون الارض ویشترطون لانفسھم ماینبت علی الانھار۔**[۷۹] یعنی اربعاء کا لفظ جو اِس حدیث میں آیا ہے وہ ربیع کی جمع ہے اور اِس کے معنی چھوٹی نہر کے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اُس زمانہ میں لوگ زمین مقاطعہ پر دیتے وقت یہ شرط کر لیا کرتے تھے کہ جو فصل نہروں کے کناروں پر ہوگی وہ مالک لے گا۔

علاّمہ شوکانی اس حدیث کو پیش کر کے یہ نوٹ لکھتے ہیں:۔**ھذا الحدیث یدل علی ان سبب النھی ھو ھذا و وجہ ذالک الجھالۃ وتجویز عدم حصول ماینبت فی المکان الذی کان التاجیر علی مایخرج منہ وعلیہ یحمل ماورد من مطلق النھی عن المخابرۃ** [۸۰] یعنی اس حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے منع فرمایا وہ یہی بات تھی نہ کہ زمین کا بٹائی پر دینا۔ اور اس مناہی کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر کہ فلاں ٹکڑا میں کیا فصل ہوگی غیر معلوم ہے اور جوئے کی قسم ہے اور اِس سے یہ بھی خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ معینہ مقدار غلّہ کی مالک کو دے کر مزارعہ کے لئے کچھ بھی نہ بچے حالانکہ مزارعۃ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مزارع کا بھی فصل میں حصّہ ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مخابرۃ سے منع فرمایا ہے اُس سے بھی یہی مراد ہے۔

مسلم کی ایک روایت سے پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف یہی طریقہ مقاطعہ کا رائج تھا چنانچہ اُس میں یہ حدیث آتی ہے۔ **عن حنظلۃ بن قیس الانصاری قال سألت رافع بن خدیج عن کراء الارض بالذھب والورق قال لابأس**

بہ انما کان الناس یؤاجرون علی عھدالنبی ﷺ علی الماذیانات واقبال الجداول واشیاء من الزرع فیھلک ھذا ویسلم ھذا۔ ویسلم ھذا ویھلک ھذافلم یکن للناس کراء الاھذا فلذلک زجر عنه [۸۱] یعنی حنظلہ بن قیس انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج ؓ انصاری سے پوچھا کہ کیا زمین کا سونا چاندی کے مقاطعہ پر دینا بھی منع ہے؟ حضرت رافع ؓ نے فرمایا اِس میں کوئی حرج نہیں۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ ماذیانات اور اقبال الجداول اور کھیتی کے کچھ حصّہ کی شرط پر زمین مقاطعہ پر دیا کرتے تھے تو کبھی یہ حصہ مارا جاتا اور وہ بچ جاتا اور کبھی وہ مارا جاتا اور یہ بچ جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اِس کے سوا مقاطعہ پر دینے کا کوئی طریق نہیں تھا پس آپؐ نے اِس سے منع فرمایا۔

حدیث کے یہ الفاظ کہ لوگ ماذیانات اور اقبال الجداول پر زمین مقاطعہ پر دیا کرتے تھے اِس کے معنی علامہ نووی نے شرح مسلم کی جلد۲ صفحہ۱۳ پر یوں درج کئے ہیں۔

ماذیانات کے معنی پانی کی نہریں ہیں یا پانی کی نہروں کے کناروں پر جو کھیتی اُگتی ہے۔ اور یہ لفظ غیر زبان کا ہے جو عربی میں اختیار کر لیا گیا ہے۔ علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں کہ یہ ماذیان کی جمع ہے جس کے معنی بڑے نالے کے ہیں اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ زمین اِس شرط پر مقاطعہ پر دیتے تھے کہ جو شخص اِس زمین کو کاشت کرے وہ نہروں کے کناروں کی فصل مالک کو دے دے اور پانی کی نالیوں پر جو فصل ہو وہ بھی مالک کو دے دے یا وہ یہ شرط کیا کرتے تھے کہ جب فصل ہوگی تو فلاں ٹکڑے کی فصل میں لے لُوں گا اور فلاں ٹکڑے کی فصل تجھے دے دونگا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا کیونکہ اس میں دھوکا ہوتا ہے۔

اِس حدیث سے بھی واضح ہے کہ خود رافع بن خدیج ؓ کے نزدیک مقاطعہ پر زمین دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا بلکہ اس دھوکا دینے والے طریق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جس کو اسلام کے علماء نے کبھی بھی پچھلے پونے چودہ سَو سال میں جائز نہیں رکھا۔ بلکہ یہ طریق متفقہ طور پر تمام مسلمانوں کے نزدیک خواہ وہ سنّی ہوں یا شیعہ ہوں یا خارجی ہوں منع اور حرام ہے کیونکہ اس میں جوئے کا رنگ پایا جاتا ہے

مسند ابوداؤد میں بھی اس حدیث کو درج کر کے یہ لفظ لکھے ہیں **حدیث ابراھیم ھذا اتم** [۸۲] یعنی اس بارہ میں جتنی حدیثیں آئی ہیں ان میں سب سے زیادہ ابراہیم کی مذکورہ بالا حدیث ہی مکمل ہے۔

حنفیوں کی معتبر ترین کتابوں میں سے مشہور کتاب طحاوی میں لکھا ہے **عن رافع بن خدیجؓ قال کنا بنی حارثة اکثر اھل المدینة حقلا و کنا نکری الارض علی ان ماسقی الماذیانات والربیع فلنا وما سقت الجداول فلھم فربما سلم ھذا و ربما ھلک وسلم ھذا ولم یکن عندنا یومئذ ذھب ولا فضة فنعمل ذالک فسئلنا رسول اللّٰہ ﷺ عن ذالک فنھانا** [۸۳] یعنی رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا قبیلہ بنو حارثہ مدینہ میں سب سے زیادہ زمینوں کا مالک تھا اور ہم اپنی زمینیں اِس شرط پر مقاطعہ پر دیا کرتے تھے کہ بڑے نالے اور چھوٹے نالے سے براہ راست پانی لے کر یا اُس کے کناروں پر جو فصل ہوگی وہ ہماری ہوگی اور کھائیاں کھود کر جس زمین کو پانی دیا جائے وہ مزارع کی ہوگی نتیجہ یہ ہوتا کہ کبھی یہ سلامت رہ جاتی اور وہ ہلاک ہو جاتی اور کبھی وہ سلامت رہ جاتی اور یہ ہلاک ہو جاتی۔ اُس زمانہ میں ہمارے پاس سونا چاندی نہیں ہوتا تھا کہ ہم اُس کے ذریعہ سے یہ کام کرتے۔ سو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بارہ میں دریافت فرمایا تو آپؐ نے ہم کو اِس بات سے روک دیا۔

یہ حدیث بھی اس بات پر شاہد ہے کہ مناہی زمین کو مقاطعہ پر دینے کی نہیں تھی بلکہ اُس غلط طریق پر جو جوئے کے مشابہہ تھا مقاطعہ پر دینے کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے مدینہ میں رائج تھا۔

بعض صحابہؓ نے تو رافع کی حدیث کو باوجود ان تشریحات کے غلط قرار دیا ہے چنانچہ مسند ابوداؤد اور طحاوی دونوں میں ایک حدیث درج ہے جو ان الفاظ میں آئی ہے۔ **وانکر بعض علی رافع و قال انه لم یحفظ اوّل الحدیث لان عروة قال قال زید بن ثابت یغفر اللّٰہ لرافع بن خدیجؓ انا واللّٰہ کنت اعلم بالحدیث منه انما جاء رجلان من الانصار الی رسول اللّٰہ ﷺ قد اقتتلا فقال ان کان ھذا شانکم فلاتکروا المزارع فسمع**

قولہ لاتکروا المزارع ۸۴؎ یعنی بعض لوگوں نے رافعؓ کی اِس حدیث کو بالکل ردّ کر دیا ہے اور وہ لوگ اِس کے بارہ میں یہ کہتے ہیں کہ رافعؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا ایک حصہ یاد رہ گیا اور دوسرا بھول گیا۔ چنانچہ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی جن کے سپرد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے قرآن شریف کے جمع کرنے کی ڈیوٹی لگائی تھی اِس بناء پر کہ یہ سب سے زیادہ قرآن شریف کو جانتے اور نہایت دیانتدار آدمی ہیں) کو یہ کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ رافع بن خدیجؓ کی غلطی معاف فرمائے۔ خدا کی قسم! مجھے یہ حدیث اُن سے زیادہ معلوم ہے۔ میں اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا جب یہ واقعہ ہوا آپؐ کے پاس انصار کے دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے (معلوم ہوتا ہے اُن میں سے ایک رافع کے چچا تھے اور ایک اُن کا مزارع تھا) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُن کو اِس طرح جھگڑتے ہوئے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا اگر تم لوگوں کی حالت ایسی ہی ہے کہ ان باتوں پر لڑنے جھگڑنے لگ جاتے ہو تو زمین مقاطعہ پر دو ہی نہ اِس جھگڑے کو ختم کرو۔ معلوم ہوتا ہے رافعؓ نے اتنا فقرہ تو سُن لیا کہ زمین مقاطعہ پر نہ دو اور باقی بات نہ سنی۔

میں کہتا ہوں کہ خود رافعؓ کی حدیث سے میں اوپر ثابت کر آیا ہوں کہ رافع خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہی نہیں تھے اُن کو اُن کے چچا نے گھر پر آ کر یہ بات سُنائی۔ پس ہوسکتا ہے کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا ہو کہ اس قسم کے لڑائی جھگڑوں کو بند کرنے کے لئے میں فی الحال مزارعۃ کو ہی روکتا ہوں تو انہوں نے اپنے بھتیجے کو بات کا خلاصہ سنا دیا اور بھتیجے نے اِس سے ایک غلط نتیجہ نکال لیا۔ اور اِس کی قطعی دلیل یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ جو نہایت اعلیٰ پائے کے صحابی، کاتبِ وحیٔ قرآن اور جامع قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکرٹری تھے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ رافع نے یہ بات نہیں سمجھی۔ میں خود اس موقع پر موجود تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات یوں نہیں فرمائی بلکہ یوں فرمائی ہے۔

اِسی طرح ایک اور حدیث بھی اس بارہ میں آئی ہے جو یہ ہے۔ **عن سعید بن المسیب عن سعد بن ابی وقاص قال کان اصحاب المزارع یکرون مزارعھم فی زمان**

رسول اللّٰہ ﷺ بما یکون علی الساقی من الزرع فجاؤوا یختصمون فنھاھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یکروا بذلک وقال اکروا بالذھب والفضۃ [۸۵] یعنی سعید بن مسیّب نے سعد بن ابی وقاصؓ صحابی سے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے یہ روایت کی ہے کہ زمینوں والے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی زمینیں مقاطعہ پر دیا کرتے تھے اور شرط یہ کیا کرتے تھے کہ جو نہروں کے کناروں پر فصل ہوگی وہ اُن کی ہوگی اور دوسری جگہ جو پانی سے دُور ہوگی وہ مزارع کی ہوگی۔ ایک دفعہ ایسے لوگ جھگڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اِس شرط پر مقاطعہ دینے سے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ چاندی اور سونے کے بدلے زمین دیا کرو۔

امام محمد جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ پایہ کے شاگرد تھے فرماتے ہیں کہ جعفر بن محمد نے اپنے والد سے یوُں روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو مقاطعہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ایک دوسرے کے ظلم کی شکایتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائیں۔ بعض آدمی اپنی زمین مقاطعہ پر دیتے تھے اور یہ شرط کر لیتے تھے کہ بڑی نہر سے براہ راست جس زمین کو پانی لگے یا جو نہر کے کناروں پر اُگے وہ اُن کی ہوگی۔ بعض دفعہ اِس پر جھگڑا ہو جاتا (مالک اچھی فصل دیکھ کر ایک لمبا قطعہ مقرر کر دیتا کہ یہ قطعہ نہر کے کنارے کا قطعہ ہے۔ یا درمیان کی فصل خراب دیکھ کر مزارع عین نہر کے سرے پر نشان دہی کرتا تھا کہ اتنا چھوٹا سا حصّہ نہر کا کنارہ ہے باقی نہیں) جب اِس قسم کے جھگڑوں کی شکایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے اِس قسم کے جھگڑے والی بات سے منع فرمادیا۔ [۸۶]

پس امام محمد نے اِس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ نہی اس جھگڑے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور حقیقی نہیں بلکہ ایک قید ہے۔

علّامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس غلط شرط سے منع فرمایا ہے۔ [۸۷]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب جن کے حوالوں پر زمینداری کے مخالفوں نے خاص طور پر

انحصار رکھا ہے وہ تو اِس سے بھی آگے چلے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ **هذه الممانعة على مصلحة خاصة بذلك الوقت من جهة كثرة مناقشتهم فى هذه المعاملة حينئذ** [۸۸] یعنی یہ ممانعت خاص مصلحت کے ماتحت اُس محدود زمانہ کے لئے تھی کیونکہ اُس وقت اِس بارہ میں جھگڑے بہت بڑھ گئے تھے۔

طاؤس تابعی اور مفسر قرآن کہتے ہیں کہ مجھ سے مسلمانوں کے علماء میں سے سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین مفت دے دے تو یہ مقاطعہ سے بہتر رہے گی۔ [۸۹]

میں یہ کہتا ہوں زمین اپنے بھائی کو مفت دے دینا یقیناً ایک احسان ہے اور احسان سود سے اچھا ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ شوکانی نے ابن عباسؓ کی یہ روایت درج کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعہ سے منع نہیں فرمایا لیکن یہ فرمایا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے۔ [۹۰]

علماء نے ان تمام احادیث پر غور کرنے کے بعد یہ فتویٰ دیا ہے کہ **احاديث رافع بن خديج مضطرب المتون ولذلك ضعفها بعض المحدثين** ۔ [۹۱] یعنی رافع بن خدیجؓ کی حدیث اس بارہ میں بہت سے اختلاف رکھتی ہے اس لئے بعض محدثین نے اِس کو کمزور قرار دیا ہے۔

ابن شہابؒ (یعنی امام زہری جو ائمہ فقہاء اور محدثین کے استادوں میں سے تھے اور تابعی تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہؒ (حضرت عمرؓ کے پوتے) سے پوچھا کہ زمین کا مقاطعہ پر دینا کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ سونے اور چاندی پر دینے میں تو کچھ بھی حرج نہیں۔ اِس پر میں نے کہا کہ آپ نے وہ حدیث تو سنی ہے جو رافع بن خدیجؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا رافع نے اس معاملہ میں تعدی سے کام لیا ہے۔ اگر میرے پاس زمین ہوتی تو میں اُسے ضرور مقاطعہ پر دیتا [۹۲] (اور اِس حدیث کی کوئی پرواہ نہ کرتا کیونکہ

یہ حدیث رسول نہیں بلکہ رافع کا غلط خیال تھا)۔

جیسا کہ میں اوپر درج کر آیا ہوں جن علماء نے رافع بن خدیج ؓ کی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے انہوں نے بھی یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ ابتدائے اسلام کا حکم تھا بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کو منسوخ فرما دیا اور خیبر کی زمینیں مقاطعہ پر دیں اور آخر عمر تک برابر مقاطعہ پر دیتے رہے اور اسی طرح آپ کے بعد خلفاء اور صحابہ ؓ کرتے رہے۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کیوں منع فرما دیا اور پھر کیوں اِس کو جائز قرار دے دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق یہ تھا کہ جب ایک بُرائی کسی قوم میں رائج ہوتی تھی جس کی اصلاح کی جا سکتی تھی تو آپ پہلے اُس سے قطعاً منع فرما دیا کرتے تھے۔ جب قوم کی عادت درست ہو جاتی تو پھر اصلاح شدہ امر کو جاری فرما دیتے تھے۔ چونکہ مدینہ کے لوگوں میں اوپر کے بیان کردہ مقاطعہ کے طریق کے سوا اور کوئی رائج نہیں تھا اور اس طریق میں جوئے بازی کا رنگ پایا جاتا تھا اِس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ ساری کی ساری قوم ایک عادت میں مبتلا ہے پہلے اِس سے قطعاً منع فرما دیا پھر جب دیکھا کہ وہ عادت ان کی چھٹ چکی ہے تو پھر وہ طریق جو اسلام کے مطابق تھا جاری کر دیا یعنی ساری پیداوار پر خواہ وہ کناروں کی ہو یا بیچ کی ہو، تھوڑی ہو یا بہت ہو اُس کو جمع کر کے زکوٰۃ دینے کے بعد اُس کا مقررہ حصہ مالک کو دے دیا جائے۔

اِس طریق کی میں ایک اور مثال پیش کرتا ہوں جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس حکیمانہ فعل پر روشنی پڑتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبدالقیس کا جو ربیعہ قبیلہ کا ایک حصہ تھا ایک وفد آیا اور اُنہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ سے چلتے وقت کچھ نصائح کی درخواست کی۔ اِس پر آپ نے اُن کو جہاں بعض اور نصیحتیں کیں وہاں یہ بھی فرمایا کہ تم سبز روغن کئے ہوئے برتن اور سوکھے کدّو کے بنے ہوئے پیالے اور لکڑی کے کھود کر بنائے ہوئے برتن اور وہ برتن جن پر لُک لگایا گیا ہو استعمال نہ کیا کرو۔[۹۳]

اِس کی وجہ درحقیقت یہ تھی کہ وہ لوگ اِن چار برتنوں میں شراب بناتے تھے۔ آپ نے اُن کی شراب کی عادت کا اندازہ لگا کر یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر یہ برتن ان کے سامنے آتے رہے تو پھر

شراب بنانے لگ جائیں گے اور شراب پینے لگ جائیں گے اس لئے بہتر ہے کہ اِس سے ان کو کُلّی طور پر روک دوں۔ جب کچھ عرصہ بعد ان کی وہ عادت دُور ہوگئی تو آپ نے اِس حکم کو بدل دیا۔ چنانچہ اب سارے مسلمان ان برتنوں کو استعمال کرتے ہیں کیا حنفی اور کیا وہابی اور کیا شافعی اور کوئی بھی ان سے منع نہیں کرتا۔ اور علمائے حدیث اور فقہ یہی لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی شراب کی عادت چھڑوانے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کُلّی مناہی کا حکم دے دیا تھا جو بعد میں آپ نے منسوخ فرما دیا۔

دوسری دلیل پراونشل سندھ زمیندارہ کمیٹی کی اقلیت کی رپورٹ میں یہ دی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلال بن الحارث المزنی کو بُلا کر کہا کہ تمہارے پاس زمین زیادہ ہے اور تم اس کو کاشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین ضبط کر کے دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی۔ اِس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اُتنی ہی زمین کسی شخص کے پاس ہونی چاہئے جتنی زمین کی وہ کاشت کر سکے۔ دوسرے یہ کہ حکومت کو زائد زمین ضبط کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

اِس اعتراض کے متعلق بھی مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اصل حوالہ کو نہیں دیکھا گیا بلکہ دوسری کتابوں سے نقل کر لیا گیا ہے۔ اگر اصل حوالہ کو دیکھا جاتا تو معترض کو معلوم ہو جاتا کہ اِس حوالہ کا مفہوم اُس سے بالکل مختلف ہے جو انہوں نے لیا ہے۔ بلال بن الحارث المزنی کی زمین کے متعلق چھٹے باب میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہ زمین نہ اُن کی جدّی تھی نہ اُن کی خریدکردہ تھی بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بیت المال سے عطیّہ کے طور پر دی تھی۔ اِس لئے اگر معترض کا اعتراض درست بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس کا اثر گورنمنٹ کے عطیوں پر پڑے گا اِس سے زیادہ نہیں۔ مگر میں اُوپر پوری طرح ثابت کر چکا ہوں کہ گورنمنٹ بھی اپنے عطیوں کو واپس نہیں لے سکتی سوائے اس کے کہ عطیہ مشروط ہو۔ اور جس کو زمین یا کوئی اور چیز عطیّہ میں دی گئی ہو وہ اُس کی شرطوں کو پورا کرنے سے قاصر رہا ہو۔ بشرطیکہ وہ شرطیں جائز ہوں۔ اور اگر بیع ہو تو کوئی شرط ایسی نہ ہو جو بیع کے شرعی قواعد کے لحاظ سے ناجائز ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہرگز وہ زمین بلالؓ سے نہیں چھینی بلکہ اُن کی مرضی سے

وہ زمین اُن سے لی گئی تھی اور اُس شرط کے ماتحت لی گئی تھی جو بلالؓ نے خود عائد کی تھی۔ چنانچہ اِس واقعہ کے متعلق جو اثر آتا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ **حدثنی بعض اشیا خی من اھل المدینة قال اقطع رسول اللّٰہ ﷺ بلال بن الحارث المزنی مابین البحر والصخر فلما کان زمن عمر بن الخطاب قال لہ انک لاتستطیع ان تعمل ھذا فطیب لہ ان یقطعھا ماخلا المعادن فانہ استثناھا** [۹۴] یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے بعض اُستادوں نے جو مدینہ کے رہنے والے تھے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن الحارث المزنی کو سمندر اور پہاڑ کے درمیان کا تمام علاقہ عطا فرما دیا تھا۔ جب حضرت عمر بن خطابؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے بلالؓ سے کہا کہ آپ اس زمین کو آباد نہیں کر سکتے اور یہ زمین خالی پڑی ہے۔ اِس بات کو سن کر بلالؓ نے اپنی خوشی سے وہ زمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی اور اجازت دی کہ وہ اُس کو دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ مگر شرط یہ کی کہ جتنی کانیں اِس زمین میں ہوں گی اُن کا مالک مَیں ہی رہوں گا کوئی اَور نہیں ہوگا۔ اس طرح کانوں کو اُنہوں نے باقی حصوں سے مستثنیٰ کر لیا۔

اس حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرگز بلالؓ سے زمین نہیں چھینی۔

پس اوّل تو اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ کم سے کم حکومت اپنے ہدیہ کو تو واپس لے سکتی ہے درست نہیں۔

دوسرے اس حدیث سے ثابت ہے کہ بلالؓ نے اپنی مرضی سے یہ زمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی نہ کہ جبریہ قانون کے ماتحت۔

تیسرے اِس حدیث سے ثابت ہے کہ بلالؓ نے زمین کو واپس کرتے وقت ایک شرط بھی اپنی طرف سے پیش کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے تسلیم کر لیا اور وہ شرط یہ تھی کہ اُس میں سے جتنی کانیں نکلیں وہ بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کی ہوں گی۔ یہ شرط اپنی ذات میں بتاتی ہے کہ بڑی زمینداریاں جائز ہیں کیونکہ کانوں کی ملکیت تو خالی زمین کی ملکیت سے بہت بڑی ملکیت ہوتی ہے۔

تیسری دلیل اس مسئلہ کے متعلق بعض لوگ یہ پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے بڑے بڑے زمینداروں سے اُن کی زمینیں چھین لیں اور لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ حوالہ بھی قطعی طور پر غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یزید کے زمانہ سے بنو امیہ میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور خلافت کی قیود اُن پر عائد نہیں۔ اُن کا نام خلیفہ تھا لیکن عمل جابر بادشاہوں والے تھے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت ہوگی اور خلافت کے بعد **مُلْکًا عَاضًّا** ہوگا یعنی ظالم بادشاہتیں ہوں گی۔ پس یہ لوگ اپنے لئے وہ سب کچھ جائز سمجھتے تھے جو قیصر و کسریٰ اپنے لئے جائز سمجھتے تھے اور اُن کا خیال تھا کہ تمام زمین حکومت کی ہے اور حکومت اُن کے نزدیک بادشاہ کا مترادف لفظ تھا۔ پس اُن کے خیال کے مطابق تمام زمین بادشاہ کی تھی اِس لئے جب وہ اپنے کسی رشتہ دار یا عزیز کو خوش کرنا چاہتے تھے تو لوگوں کی زمینیں چھین کر اُن کو دے دیتے تھے جیسے جابر بادشاہ کیا ہی کرتے ہیں۔ اب بھی کشمیر کا راجہ اِسی طرح کیا کرتا تھا اور شاید اَور راجے بھی ہندوستان کے اِسی طرح کرتے ہوں۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز کے ہاتھ میں حکومت آئی تو چونکہ وہ ایک خدا ترس انسان تھے اور اسلام کے احکام کو اُن کی اصلی صورت میں قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے، جن لوگوں کی زمینیں چھینی گئی تھیں اُنہوں نے اُن کے پاس درخواستیں بھجوانی شروع کیں کہ ہماری زمینیں ہم کو واپس دلائی جائیں کیونکہ حکومت کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ جبراً ہم سے زمینیں چھین کر دوسرے لوگوں کو دے دیتی۔ جب یہ درخواستیں کثرت سے آپ کے پاس آئیں تو جیسا کہ میں باب نمبر ۹ میں یہ روایت درج کر آیا ہوں حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے بیٹے عبد الملک سے جو ایک بہت بڑے عالم اور بڑے خدا ترس تھے مشورہ لیا کہ مَیں اِس بارہ میں کیا کروں؟ ایک طرف یہ لوگ ہیں جو اپنی زمینیں واپس مانگتے ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہیں پہلے بادشاہوں نے زمینیں عطا کر دیں تھیں اور وہ اپنے آپ کو اُن کا جائز مالک سمجھتے ہیں۔ عبد الملک نے اپنے والد کو مشورہ دیا کہ چونکہ یہ زمین لوگوں سے چھین کر اُن کو دی گئی تھی اِس لئے یہ مغصوبہ زمین ہے اور مغصوبہ زمین کا کوئی شخص مالک نہیں ہو سکتا۔ نہ حکومت اور نہ غیر۔ پس مغصوبہ زمین کا موجودہ

قابضوں سے چھین لینا کوئی گناہ کی بات نہیں بلکہ یہ عین انصاف ہے پس آپ یہ زمینیں لوگوں سے چھین کر اُن کے اصل مالکوں کو واپس کر دیں۔ اِس مشورے کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قبول کیا اور وہ تمام زمینیں جو مغصوبہ زمینیں تھیں یعنی دوسروں کی مملوکہ زمینوں کو اُن سے چھین کر اَوروں کے حوالے کیا گیا تھا اصل مالکوں کو واپس کر دیں۔

پس اس حوالہ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حکومت لوگوں کی ضرورت سے زیادہ زمینیں چھین کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر سکتی ہے بلکہ اس حوالہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر لوگوں کی زمینیں چھین کر حکومت نے دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی ہوں تو بعد میں آنے والی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ پھر اُن کے قابضوں سے زمین چھین کر اُن کے اصل مالکوں کو زمین لوٹا دے۔ پس یہ حوالہ تو زمینداری کے مخالف لوگوں کے منشاء کے اُلٹ ہے۔

سندھ گورنمنٹ کی زمیندارہ کمیٹی کی اقلّیت کی رپورٹ میں مولوی عبیداللہ صاحب سندھی کا بھی ایک حوالہ پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابع ہیں اور امام صاحب نے زمین کو مقاطعہ پر دینا ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اتنی ہی زمین اپنے پاس رکھنے کی اجازت دی ہے جتنی کوئی خود کاشت کر سکتا ہے اس لئے موجودہ طریق زمینداری کا ناجائز ہے۔ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی ایک خداترس انسان تھے اور سادہ مزاج تھے۔ میرے وہ بچپن سے واقف تھے۔ جماعت احمدیہ کے پہلے امام کے زمانہ میں وہ قادیان بھی آیا کرتے تھے اور باوجود اِس کے کہ میں اُس وقت ایک طالب علم کی حیثیت رکھتا تھا میرا بہت ادب کرتے تھے۔ بعد میں بھی اُن کے ساتھ تعلقات قائم رہے۔ چنانچہ مَیں دیوبند میں بھی جا کر اُن سے ملا تھا۔ کبھی کبھار پیغام وسلام بھی آتا جاتا رہتا تھا اس لئے میرے دل میں اُن کا بہت ادب ہے۔ مَیں اُن کو متصنّع آدمی نہیں سمجھتا تھا لیکن اُن کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ شدّت سے کمیونسٹ خیالات سے متاثّر تھے۔ ہجرت کی تحریک کے موقع پر وہ ہندوستان سے نکلے۔ رشیا میں بڑے بڑے کمیونسٹ لوگوں سے اُن کے تعلقات رہے لیکن پھر بگاڑ پیدا ہو گیا اور وہاں سے آ گئے لیکن کمیونسٹ خیالات نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا بوجہ کمیونسٹوں سے بگاڑ کے وہ ظاہراً کمیونسٹ نہیں رہے تھے مگر خیالات پر وہی رنگ تھا۔ حجاز میں رہتے ہوئے بھی جو رپورٹیں آتی تھیں وہ یہی تھیں

کہ کمیونسٹ اصول کو انہوں نے ترک نہیں کیا۔ چنانچہ غالباً ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء کی بات ہے کہ اُن کے متعلق تحریک کی گئی کہ چونکہ اب کمیونسٹ حکومت اُن کی مخالف ہے اِس لئے اُن کو ہندوستان میں آنے کی اجازت دی جائے۔ اُس وقت غالباً سر ماؤنٹ مورنسی پنجاب کے گورنر تھے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا مَیں اُن کو جانتا ہوں اور آیا ان کو واپس آنے کی اجازت دینے میں کوئی حرج تو نہیں ہوگا؟ میں نے اُنہیں جواب دیا کہ میں مولانا کو خوب جانتا ہوں وہ نہایت شریف اور نیک طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اپنی بات کے پکّے بھی ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ریشہ دوانی یا سازش کی باتوں سے وہ بالا ہیں اور اِس قسم کا شُبہ اُن پر نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ خود کمیونسٹ خیالات سے وہ آزاد ہو چکے ہوں میرے خیال میں یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ وہ اپنی بات کے بڑے پکّے ہیں۔ نہ جلدی رائے قائم کرتے ہیں نہ جلدی رائے چھوڑتے ہیں۔ ہاں نیک طبیعت اور سادہ طبع ہونے کی وجہ سے دوسرے کے فائدہ کے خیال سے کبھی اپنی بات جلدی سے بدل بھی لیتے ہیں مگر طبیعت کی وجہ سے نہیں بلکہ اخلاق کی اتباع کے خیال سے۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن کے واپس آنے کی اجازت دے دی گئی۔ مَیں نہیں جانتا کہ اس تحقیق کے سلسلہ میں یا بعد میں دوبارہ سوال اُٹھایا گیا اور اُنہیں ہندوستان واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد ہمیں ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

شاید ۱۹۴۴ء کی بات ہے کہ میں نے اُن کو دعوت دینے کا ارادہ کیا مگر مَیں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ فوت ہو گئے۔ پُرانی طرز کے علماء میں سے وہ ایک نہایت ہی اعلیٰ پایہ کے آدمی تھے لیکن اُن کا کوئی خیال دلیل نہیں کہلا سکتا۔ وہ بعض دفعہ عجیب عجیب قسم کی باتیں سوچا کرتے تھے۔ اُن کے دوست اُن کے دماغ کی اِس کیفیت کو خوب جانتے ہیں۔ مَیں مثال کے طور پر ایک بات پیش کرتا ہوں۔

ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں احمدیوں سے کوئی تعصّب نہیں رکھتا۔ میں نے کہا خوب جانتا ہوں۔ کہنے لگے اِس کا یہ مطلب نہیں کہ مَیں احمدیہ عقیدہ سے بھی متفق ہوں۔ میں مرزا صاحب کو ایک بڑا بزرگ سمجھتا ہوں اور صوفی سمجھتا ہوں مگر میرا یقین ہے کہ اُن کو مسیح اور مہدی کے بارہ میں غلطی لگی ہے اور اس بارہ میں مَیں نے بڑی لمبی تحقیق کی ہے اور گہرا

غور کیا ہے اور عجیب نکتہ نکالا ہے۔ میں نے پوچھا فرمایئے وہ کیا نکتہ ہے ہمیں بھی معلوم ہو۔ تو اِس پر وہ ایک بستہ اُٹھا لائے جس میں بہت سے نوٹ اُن کے لکھے ہوئے تھے۔ اُس میں انہوں نے بڑی لمبی تحقیقات لکھی ہوئی تھی جسے نہ وہ سُنا سکتے تھے نہ ہمارے پاس اُس کے سُننے کا وقت تھا۔ بہرحال اُس کا خلاصہ تھا کہ مسیحؑ دوبارہ اِس دنیا میں آئیں گے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اُن کی تھیوری یہ تھی کہ وہ فوت تو ہو چکے ہیں مگر دوبارہ زندہ کر کے بھجوائے جائیں گے اور یہ وہ زمانہ ہوگا جب اُمتِ محمدؐیہ میں سے مہدی پیدا ہو چکا ہوگا۔ مہدی آ کر مسلمانوں کی بادشاہت سنبھال لے گا اور عیسیٰؑ آ کر عیسائیوں کی حکومت سنبھال لے گا اور یہ دونوں مل کر ایک سمجھوتہ کر لیں گے جس کے ماتحت عیسائیوں اور مسلمانوں میں دائمی صلح ہو جائے گی۔ میں نے کہا مولانا! سیاسی صلح کیلئے تو مسیحؑ اور مہدی کی ضرورت نہیں اور خاتم النبیّن کے بعد دین میں کسی شکست و ریخت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو یہ آ کر مسیحیوں اور مسلمانوں میں صلح کس بات کی کرائیں گے؟ اُنہوں نے پھر اِس پر ایک لمبی تقریر کی جس کا کچھ حصہ تو مجھے یاد نہیں اور جو یاد ہے اُس کا کہنا مناسب نہیں۔

پس باوجود اِس کے کہ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی کا میں بہت ادب اور احترام کرتا ہوں اور اُن کو طبعیتاً ایک نیک انسان سمجھتا ہوں لیکن وہ ہرگز اِس پایہ کے آدمی نہیں تھے کہ اِن معاملات میں اُن کی رائے کو کوئی وزن دیا جا سکے۔ اور شاید اپنے خیالات کی سختی کی وجہ سے وہ بعض دفعہ پوری تحقیق کرنے سے بھی عاجز رہتے تھے۔ مثلاً یہی حوالہ جو اُن کی طرف منسوب کیا گیا ہے اُس کا مضمون قطعی طور پر غلط ہے اور یا شاید اقلیت کی رپورٹ نے اِس کو غلط نقل کر دیا ہے۔ بہرحال اقلیت کی رپورٹ کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

> ''ہم امام ابوحنیفہ کے تابع ہیں جنہوں نے زمین کو مقاطعہ پر دینا منع کیا ہے اُن کے نزدیک آدمی اتنی ہی زمین رکھ سکتا ہے جتنی زمین وہ خود کاشت کر سکے''۔ 95

میں اوپر بار بار حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہرگز یہ مذہب نہیں۔ امام ابوحنیفہ ہرگز مقاطعہ پر زمین دینے کو ناجائز نہیں سمجھتے بلکہ وہ بٹائی پر زمین دینے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پھر ذیل میں مَیں چند حوالے درج کرتا ہوں۔

لایجوز المساقاۃ ولا المزارعۃ الا بالدراھم والدنانیر وما اشبھھما من العروض وھذا کلہ قول ابی حنیفۃ ۹۶

یعنی باغ اور زمین کو ٹھیکے پر دینا جائز ہے سوائے اِس کے کہ سونے اور چاندی کے بدلہ میں اُنہیں ٹھیکے پر دیا جائے یا ایسی چیزیں جو قیمت کے طور پر استعمال ہوتی ہیں اُن کے بدلہ میں انہیں ٹھیکہ پر دے دیا جائے اور یہ سب کہ سب الفاظ امام ابوحنیفہؒ کے ہیں۔

حنفی علماء جانتے ہیں کہ علاّمہ طحاوی حنفیوں کے فقہاء میں سے اَئمہ کے بعد بڑے رتبہ کے لوگوں میں سے ہیں۔نووی میں لکھا ہے **المزارعۃ مختلف فیھا عند الحنفیۃ فابو حنیفۃ یقول انھا لاتجوز (الا بالذھب والورق) وابو یوسف ومحمد یقولان بجوازھا مطلقا** ۹۷ یعنی زمین کو مقاطعہ پر دینے کے بارہ میں حنفیوں میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ زمین صرف سونے چاندی کے بدلہ میں ٹھیکہ پر دی جاسکتی ہے بٹائی پر نہیں۔لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں اُن کے شاگرد یہ کہتے ہیں کہ زمین کو ٹھیکے پر دینا خواہ بٹائی پر ہو یا روپیہ کے بدلہ میں دونوں طرح جائز ہے۔

پس علامہ سندھی نے جو بات امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کی ہے وہ حنفی فقہ سے کلّی طور پر غلط ثابت ہوتی ہے۔نہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہا ہے کہ زمین کو مقاطعہ پر دینا قطعی طور پر ناجائز ہے اور نہ اُنہوں نے یہ کہا کہ انسان صرف اُتنی ہی زمین اپنے پاس رکھ سکتا ہے جس کو وہ خود کاشت کر سکے۔یہ دونوں باتیں سراسر غلط ہیں۔

اقلیتی رپورٹ میں امام ابو یوسف پر ایک نہایت ہی رکیک الزام لگایا گیا ہے۔اُس میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک زمین ٹھیکے پر دی جاسکتی ہے اور پھر لکھا ہے کہ وہ تو ہارون الرشید کے بڑے مفتی تھے جو شہنشاہیت کا بڑا علمبردار تھا اور اس لئے امام ابو یوسف سے یہ امید بھی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ہارون الرشید کے اُن خیالات کے خلاف کہہ سکے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔اِس زمانہ کے معمولی معمولی ٹٹ پونجئے گریجوایٹوں کے متعلق یا مولویوں کے متعلق تو کہا جاتا ہے کہ اُن پر بدظنی نہ کی جائے لیکن امام ابو یوسف جیسے انسان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اُن کا یہ فتویٰ دیانت داری پر مبنی نہیں تھا بلکہ ہارون الرشید کو خوش کرنے کے لئے

انہوں نے دے دیا تھا۔ لیکن اقلیت کی رپورٹ لکھنے والوں کا ذہن اِدھر نہیں گیا کہ یہ فتویٰ امام ابو یوسف کا ہی نہیں امام محمد کا بھی ہے جن کو حکومت میں کوئی رُتبہ حاصل نہیں تھا اور وہ امام ابو یوسف سے اُتر کر امام ابو حنیفہ کے دوسرے نمبر کے شاگرد سمجھے جاتے تھے۔ گو انہوں نے بوجہ وفات امام ابو حنیفہؒ تکمیل تعلیم امام ابو یوسف سے کی۔ سوال یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے اگر ہارون الرشید کو خوش کرنے کے لئے شریعت کو بدل دیا تھا تو امام محمد نے کس کو خوش کرنے کے لئے شریعت کو بدل دیا۔

امام ابو یوسف کے پایہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اَئمہ اہل حدیث جو کہ فقہاء کی بہت کم تعریف کیا کرتے ہیں اُنہوں نے امام ابو یوسف کی نہایت اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے۔ مثلاً یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ علمائے فقہ میں سے امام ابو یوسف سے زیادہ کثیر الحدیث اور صحیح الروایت اَور کوئی شخص نہیں۔ اور اُن کے متعلق یحیٰی بن معین نے یہ الفاظ بھی کہے ہیں کہ امام ابو یوسف صاحبِ حدیث اور صاحب السنۃ ہیں۔ [98] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا تتبع کرتے ہیں اور رسول کریم کے طریقِ عمل پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَ عْدَاءُ۔ خوبی وہی ہوتی ہے جس کا مخالف بھی اقرار کرتا ہو۔ یہ اقرار اُن لوگوں کا ہے جو علمائے فقہاء کے خلاف تھے۔ اُن کا یہ کہنا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں پیش پیش ہیں ایک ایسی شہادت ہے جس کو آجکل کا کوئی آدمی کسی صورت میں بھی ردّ نہیں کر سکتا۔

اُن کی نسبت تاریخوں سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ خلیفہ ہارون کی بیویوں اور حکام کے خلاف فیصلے کرتے تھے بلکہ خود خلیفہ ہارون کی مرضی کے خلاف بھی فیصلے کیا کرتے تھے۔

اس رپورٹ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا بھی ایک حوالہ لکھا گیا ہے جس میں یہ درج ہے کہ ہندوستان کی تمام زمین مسلمانوں کی ہے اور بیت المال کی ہے اور یہ کہ زمیندار مینجروں کی طرح ہیں۔ یہ حوالہ بھی صحیح درج نہیں۔ شاہ صاحب نے اِس بات پر بحث نہیں کی کہ ہندوستانی زمین کی ملکیت کی نوعیت کیا ہے بلکہ اُنہوں نے عُشر پر بحث کی ہے اور یہ بتانا چاہا ہے کہ

ہندوستان کی زمینوں پر عُشر ہے یا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ از روئے اسلام زمینیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک عُشری اور ایک خراجی۔ عُشر چونکہ زکوٰۃ کا قائم مقام ہے اِس لئے ائمہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عُشر صرف اُن زمینوں کے لئے ہے جن کے مالک مسلمان ہو جائیں کیونکہ زکوٰۃ صرف مسلمان سے لی جاسکتی ہے۔ آگے خراجی زمین کے متعلق پھر اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا کہ جب اس زمین کا مالک مسلمان ہو جائے گا تو اُس کی زمین عُشری ہو جائے گی۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عُشری اور خراجی زمین کے لحاظ سے ہے مالک کے لحاظ سے نہیں۔ اگر خراجی زمین کو مسلمان خرید لے تو وہ عشری نہیں بن جاتی کیونکہ جو حق ایک وقت میں قائم ہو گیا وہ مالک کے بدلنے سے بدل نہیں جاتا۔ اِس بناء پر انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ہندوستان کی زمین خراجی ہے عُشری نہیں خواہ بعد میں اُس کے مالک مسلمان ہو گئے ہوں۔ اس اختلاف پر شاہ صاحب اپنی رائے دے رہے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں:۔

''امامِ وقت جو زمین کسی کو بطور انعام دیتا ہے اس کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔

اوّل: امام بیت المال کی مملوکہ زمین کسی کو ہمیشہ کے لئے دے دے۔

دوم: امام بیت المال کی مملوکہ زمین کی آمدن بطور انعام دے دے (یعنی عُشر یا خراج بخش دے)

سوم: امام کسی ذمّی یا مسلمان کی مملوکہ زمین چھین کر کسی دوسرے کو ہمیشہ کے لئے دے دے۔

چہارم: امام ایسی زمین کی سرکاری آمدن کسی دوسرے کو بطور انعام دے دے۔

(یعنی زمین مالک ہی کے پاس رہے۔ اُس کا خراج یا عُشر دوسرے کو دے دے)

ان میں سے تیسری صورت صرف عقلی احتمال ہے جو خلافِ شرع بھی ہے (جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک حکومت کا کسی مسلمان یا کافر سے اس کی زمین چھین کر کسی اَور کو دے دینا علاوہ خلاف شریعت ہونے کے اس قدر خلافِ عقل ہے کہ وہ باور ہی نہیں کرتے کہ کوئی اسلامی حکومت ایسا کرے گی اس لئے لکھتے ہیں کہ عملاً تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ صرف بحث کی خاطر میں اس شق کو بطور احتمال پیش کرتا ہوں۔ یعنی بفرض محال اگر کوئی حکومت ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔ سو وہ حکم یہ ہے کہ یہ عمل خلاف شریعت ہوگا) باقی تین صورتوں

میں سے پہلی صورت میں وہ شخص زمین کا پوری طرح مالک ہوگا جس کو زمین دی گئی ہے اور باقی دو صورتوں میں صرف خراج اور عُشر یعنی سرکاری آمدن لینے کا اُسے حق ہوگا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ سارے قواعد ہمارے ملک کے رواج پر منطبق نہیں ہوتے اِس لئے کہ اس ملک میں ہر جگہ زمیندار زمین کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پس ایسی زمین جو بیت المال کی ملک ہو اِس ملک میں موجود نہیں اور نہ ہی ایسی زمین جو موات کا حکم رکھتی ہو یا ایسی زمین جو وارث کے نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال کی ملک میں آئی ہو یا بیت المال کی آمدن سے اُسے خریدا گیا ہو اور اگر کوئی ایسی زمینیں ہیں تو وہ ممیّز اور دوسری زمینوں سے نمایاں نہیں ہیں۔ پس اس حکم کو کسی معین جگہ پر جاری کرنا ممکن نہیں ہوگا سوائے اس کے حضرت شیخ جلال تھانیسری نے جو کچھ اپنے رسالہ میں لکھا ہے اُسے بنیاد مانا جائے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی زمین ابتداء میں سوادِ عراق کی مانند فتح ہوئی تھی اس لئے یہ بیت المال کے لئے وقف ہے اور زمینداروں کی حیثیت متولّی اور مینیجر سے زیادہ نہیں جیسا کہ لفظ زمیندار بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے اور زمینداری میں تغیر و تبدل اور زمینداروں کو معزول کرنا اور رکھنا اور بعض کو نکالنا اور بعض کو مقرر کرنا اور بعض زمینیں افغانوں، بلوچوں، سیّدوں اور قدوائیوں کو بطور زمینداری دینا اس پر صریح دلالت کرتا ہے۔ پس اس صورت میں تمام اراضیِ ہندوستان بیت المال کی مِلک ہو جائیں گی۔ اِس طور پر کہ وہ اُن کے پاس نصف یا کم و بیش بٹائی کی صورت میں ہونگی۔ اس زمین کا ہر قطعہ جو بادشاہِ وقت دائمی طور پر کسی کو بخش دے وہ اُس کی مِلک ہوگا اور جو قطعہ بصورتِ گذارہ آمدن (حقوقِ موروثیت) اُس کو دیا گیا ہو وہ عاریۃً شمار ہوگا۔ ہاں پُرانے بادشاہوں کے حکمناموں کو دیکھ لینا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ کون سی زمین دائمی ملکیت کی ہے اور کون سی دوسری۔ اور جو زمین دائمی ملکیت کی ہے اگر تو اُس کے ساتھ خراج کی معافی بھی تھی تو خراج بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں رقبہء ارضی کی تملیک ہوگی اور خراج بطور تنخواہ اُسے ملتا ہوگا۔ اور اگر صرف زمین کی تملیک ہے اور خراج معاف نہیں ہوا تو خراج واجب ہوگا۔ اور پہلی صورت میں بھی امام کو حق حاصل ہے کہ زمین مذکورہ سے خراج وصول کرے۔ بہر حال اس ملک کی زمینوں میں شبہ ہے اور پہلوں کو جو زمینیں دی گئی تھیں اُن کے دینے کی صورتوں میں بھی

لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۹۹

یہ حوالہ جس کتاب سے سندھ زمیندارہ کمیٹی کی اقلیتی رپورٹ میں درج کیا گیا ہے کسی قدر مختلف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اصل کتاب سے مفصل عبارت کا ترجمہ درج کر دیا ہے جو لفظاً لفظاً صحیح ہے۔ ہر شخص اصل کتاب نکال کر دیکھ سکتا ہے کہ ترجمہ وہی ہے جو مَیں نے کیا ہے اور وہ غلط ہے جو اس رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہرگز یہ بحث نہیں کی اور نہ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کی زمین کی حکومت اُن معنوں میں مالک ہے جن معنوں میں اقلیت کی رپورٹ میں لیا گیا ہے۔ شاہ صاحب تو اِس پر بحث کر رہے ہیں کہ آیا ہندوستان کی زمین پر عُشر لینا واجب ہے یا نہیں اور مختلف اقوال نقل کر رہے ہیں کہ بعضوں نے اِس زمین کو خراجی قرار دیا ہے اور حکومت کی ملکیت قرار دیا ہے اور بعضوں نے اس کو عُشری قرار دیا ہے یعنی اس پر وہ احکام جاری کئے ہیں جو مسلمان کی مملوکہ زمین کے ہوتے ہیں۔ اِس سے یہ کیونکر نتیجہ نکل آیا کہ زمین حکومت کی ہے اور وہ جس طرح چاہے اُس کو تقسیم کر سکتی ہے۔ خراجی اور عُشری کی بحث کا اس معاملہ سے دُور کا بھی تعلق نہیں اور نہ شاہ صاحب نے اِس جگہ پر اپنی کوئی رائے دی ہے۔ اور نہ اِس پر بحث کی ہے کہ خراجی اور عُشری زمین کی ملکیتوں میں فرق کیا ہوتا ہے یمن کی زمین جو عیسائیوں اور یہودیوں کے نیچے تھی وہ خراجی تھی لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین یہودیوں اور عیسائیوں سے لے لی اور اُن کو عرب کے جزیرے سے نکال دیا تو باوجود اِس کے کہ وہ زمین خراجی تھی اور اصولی طور پر حکومت اُس کی مالک سمجھی جاتی تھی اُنہوں نے وہ زمین اُن سے چھینی نہیں بلکہ خریدی۔ چنانچہ فتح الباری (شرح بخاری) جلد ۵ صفحہ ۸ پر یہ حدیث درج ہے۔ **عن یحیی بن سعید ان عمر اجلی اھل نجران والیھود والنصاری واشتری بیاض ارضھم و کرومھم** یعنی یحییٰ بن سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے نجران کے مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا اور اُن کی زمینیں اور باغ خرید لئے۔

یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی زمین عُشری نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر وہ عُشر تھی تو اس کا مالک کوئی مسلمان ہوگا۔ پس یہودیوں سے اُس کے خریدنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا وہ یقیناً خراجی تھی

جیسا کہ ہندوستان کی زمین کو خراجی قرار دیا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کو خراجی قرار دے کر اور حکومت کو اُس کا مالک قرار دے کر اُس کو ضبط نہیں کیا بلکہ اُس کو خریدا۔

شاید کوئی کہے کہ یہ زمین نہ خراجی ہوگی نہ عُشری ہوگی بلکہ کسی اور قسم کی ہوگی تو یہ خیال بے ہودہ ہوگا اور اسلامی شریعت سے ناواقفی کی علامت ہوگا۔ اُوپر جو حوالہ شاہ صاحب کا درج کیا گیا ہے اُس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عُشری اور خراجی کے سوا اَور کوئی زمین اسلام میں نہیں سوائے اِس کے کہ وہ بیکار پڑی ہوئی ہو اور اُس کا مالک کوئی فردِ واحد نہ ہو۔ پس لازماً یہودی اور نصرانی اور مشرک اہلِ نجران کی زمینیں یا خراجی تھیں یا عُشری تھیں مگر دونوں صورتوں میں اُن کا مالک حضرت عمرؓ نے اُن کے قابضوں کو قرار دیا ہے اور اُن سے وہ زمین خریدی ہے۔

اب میں پھر شاہ صاحب کے حوالہ کی طرف آتا ہوں اور توجہ دلاتا ہوں کہ اِس حوالہ کو پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ زمینداری کے مخالف لوگوں کے سراسر خلاف ہے نہ کہ اُن کی تائید میں۔ شاہ صاحب تو اِس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بادشاہ خراج اور عُشر کو بھی معاف کر سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ مَیں اوپر باب ۵ میں ثابت کر آیا ہوں میرے نزدیک کوئی بادشاہ عُشر یا خراج کو معاف نہیں کر سکتا اور نہ کوئی حکومت ایسا کر سکتی ہے۔ شاہ صاحب نے شریعت کا ادب مدنظر رکھتے ہوئے اشارۃً اِس اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ زمین کی آمدن عطیہ سمجھی جائے گی اور خراج یا عشر جو حکومت نے چھوڑا ہے وہ اُس شخص کی تنخواہ سمجھی جائے گی لیکن ظاہر ہے کہ یہ توجیہہ کوئی ایسی اعلیٰ توجیہہ نہیں ہے۔ درحقیقت بات یہی ہے کہ خراج بقدر عُشر یا عُشر کو کوئی حکومت معاف نہیں کر سکتی اور معافی والی جاگیر ہرگز اسلام میں جائز نہیں۔ خراج کا اُتنا حصہ جو عُشر کے برابر ہو اور عُشر بہر حال تمام مسلمان زمینداروں سے لینا پڑے گا۔ غیر مسلم پر چونکہ زکوٰۃ واجب نہیں اِس لئے میں اِس وقت اُس کے متعلق کوئی فتویٰ نہیں دیتا وہ مسئلہ اس بحث کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن ہر مسلمان زمیندار کو عُشری زمین کے بدلہ میں عُشر یا خراجی زمین کے بدلہ میں کم سے کم عُشر کے برابر رقم لازماً دینی ہوگی اور حکومت کو یہ رقم لازماً لینی ہوگی۔ اگر کوئی مسلمان زمیندار یہ رقم نہ دے گا تو وہ گنہگار ہوگا اور اگر حکومت اتنی رقم اس سے نہ لے گی تو وہ گنہگار ہوگی۔ نہ اِس کے معاف کروانے کا کسی کو حق ہے نہ اس کے

معاف کرنے کا کسی کو حق ہے۔

شاہ صاحب کے مندرجہ بالا حوالہ میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ بعض علماء نے ہندوستان کی زمین کو سوادِ عراق کی زمین کا قائم مقام قرار دیا ہے اور اس لئے یہ ساری زمین حکومت کی مملوکہ ہے۔ اِس حوالہ کا کوئی تعلق زمینداری کی بحث کے ساتھ نہیں لیکن آجکل اِس حوالہ کے غلط معنی لے کر بعض لوگ ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں وہ لوگ اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ سوادِ عراق کی زمین اِس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام نے زمینوں کو حکومت کی ملکیت میں رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس لئے تمام اسلامی حکومتوں میں جس قدر زمینیں پائی جاتی ہیں وہ سب حکومت کی ملکیت قرار دی جانی چاہئیں۔ سوادِ عراق کی زمینوں کے مسئلہ کو شاید ہندوستان میں جو اہمیت دی جارہی ہے اُس کا پہلا بانی میں ہوں۔ آج سے قریباً ۲۷ سال پہلے مَیں نے خلافت پر لیکچر دیئے تھے اور اُن میں اِس زمین کے سوال کو اختلافات کی بنیادوں میں اہم بنیاد ثابت کیا تھا۔ میرے یہ لیکچر خدا تعالیٰ کے فضل سے علمی دنیا میں خاص طور پر مقبول ہوئے تھے اور بعض اسلامی کالجوں میں پرائیوٹ سٹڈی کے طور پر مقرر کئے گئے تھے۔ شاید اُس وقت میرے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کسی زمانہ میں یہی مسئلہ ایک اَور شکل اختیار کر کے ملک میں فتنہ کا موجب بن جائے گا۔

سوادِ عراق کی زمینوں کی حقیقت یہ ہے کہ جب عراق فتح ہوا تو عراق میں جو شاہِ ایران کسریٰ کی مملوکہ زمین تھی وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ اُس وقت تک طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ملک بزورِ شمشیر فتح ہوتا تھا اور اُس کے متعلق کوئی معاہدہ نہ ہوتا تھا تو تمام سرکاری زمینیں یا اُن لوگوں کی زمینیں جو عملاً لڑائی میں شامل ہوتے تھے چھین کر مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتی تھیں سوائے اُتنے حصہ کے جو قرآن کریم نے اموالِ غنیمت میں سے خدا تعالیٰ اور حکومت کا مقرر فرمایا ہے۔ چونکہ ابتداءً زمینیں کم آتی تھیں اور مسلمان محتاج زیادہ تھے یا بعض ایسے حقدار مسلمان ہوتے تھے جنہوں نے اسلام کی بڑی خدمات کی ہوئی ہوتی تھیں اُن کو دوسرے لوگوں سے زیادہ معاوضہ دینے کا فیصلہ کیا جاتا تھا اِس لئے عراق کی فتح تک تمام ایسی زمینیں جو حکومت کی ملکیت ہوتی تھیں یا لڑنے والے افراد کی ملکیت ہوتی تھیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ خدا تعالیٰ اور حکومت کا حصہ بھی قریباً قریباً ساتھ کے ساتھ تقسیم ہوتا چلا جاتا تھا کیونکہ آخر

وہ بھی پبلک کے فائدہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ فرق اتنا تھا کہ وہ حصہ ایسے غرباء کو مل جاتا تھا جو لڑائی میں شامل نہیں ہوتے تھے یا اُن لوگوں کو مل جاتا تھا جن کو اُن کے غنیمت کے حق سے زیادہ دینے کا فیصلہ کیا جاتا تھا لیکن جب عراق فتح ہوا تو چونکہ عراق میں شاہِ کسریٰ کی بہت بڑی بڑی زمینیں تھیں اِسی طرح اُس کے اُمراء کے بہت بڑے بڑے علاقے خالی پڑے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو اب کافی زمینیں مل چکی ہیں اب آئندہ فوجوں کے اخراجات غنیمت کے مال سے نکلنے مشکل ہونگے اِس طرح آئندہ آنے والی نسلوں کی امداد اگر حکومت کرنا چاہے گی تو اُس کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت ہوگی پس انہوں نے فیصلہ کیا کہ سرِ دست سوادِ عراق یعنی عراق کی غیر مملوکہ زمین اور بعض کے نزدیک شام کے علاقہ کی کچھ زمین یا دوسرے لفظوں میں سرکاری زمین موجودہ مجاہدین میں تقسیم نہ کی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس فیصلہ کے اعلان سے پہلے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو صحابہؓ نے اُن سے اِس بارہ میں سخت اختلاف کیا اور اصرار کیا کہ یہ زمین سابق دستور کے مطابق فوراً مسلمانوں میں تقسیم ہو جانی چاہئے۔ چنانچہ اِس کی تفصیل کتاب الخراج میں اِس طرح آتی ہے۔

قال ابو یوسف وحدثنی غیر واحد من علماء اھل المدینة قالوا .... لما جاء فتح العراق شاور الناس فی التفصیل... وشاورھم فی قسمة الارضین التی افاء اللّٰہ علی المسلمین من ارض العراق والشام فتکلم قوم فیھا وارادوا ان یقسم لھم حقوقھم وما فتحوا فقال عمر رضی اللّٰہ عنه فکیف بمن یاتی من المسلمین فیجدون الارض بعلوجھا قد اقتسمت و ورثت عن الاباء وحیزت ۔ ماھذا رأیی... واللّٰہ لایفتح بعدی بلد فیکون فیه کبیر نیل بل عسی ان یکون کلا علی المسلمین فاذا قسمت ارض العراق بعلوجھا وارض الشام بعلوجھا فما یسدبه الثغور وما یکون للذریة والارامل بھذالبلد وبغیرہ من اھل الشام والعراق...... قدرأیت ان احبس الارضین بعلوجھا واضع علیھم فیھا الخراج وفی رقابھم الجزیة یؤدونھا فتکون فیئا للمسلمین المقاتلة والذریة ولمن یأتی من بعدھم ارأیتم ھذہ الثغور لا بدلھا من رجال یلزمونھا أرئیتم ھٰذہ المدن العظام کالشام والجزیرة والکوفة

والبصرة ومصر لا بدلها من ان تشحن بالجیوش وادرار العطاء علیھم فمن این یعطی ھولاء اذا قسمت الارضون والعلوج فقالوا جمیعا الرأی رأیک فنعم ماقلت ونعم مارأیت[100]

یعنی امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ مجھ سے اہلِ مدینہ کے کئی علماء نے بیان کیا ہے کہ جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور اُن سے پوچھا کہ شام و عراق میں جو زمین خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے اُس کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ اِس پر لوگوں نے مشورہ دیا کہ اُن کے حقوق جو اموالِ غنیمت کے ہیں اور جو زمین انہوں نے فتح کی ہے وہ اُن میں فوراً تقسیم ہونی چاہئے۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اُن مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو بعد میں آئیں گے اور وہ دیکھیں گے کہ زمین کا ہر ٹکڑہ اور اُس کے کسان تقسیم ہو چکے ہیں اور باپ دادوں سے دوسرے لوگوں کو ورثہ میں ملے ہوئے ہیں۔ میری یہ رائے نہیں۔ خدا کی قسم! میرے بعد کوئی اور ملک ایسا فتح نہیں ہوگا جس میں نیل جیسے دریا ہوں بلکہ ممکن ہے کہ ایسے ملک فتح ہوں جو مسلمانوں پر بوجھ ہوں اور اُن کا خرچ مسلمانوں کو اُٹھانا پڑے۔ پس اگر مَیں عراق کی زمین اور اُس کے کسانوں کو تقسیم کر دوں اور شام کی زمین اور اُس کے کسان کو تقسیم کر دوں تو اسلامی ملک کی سرحدوں پر لڑائی کا خرچ کہاں سے اُٹھایا جائے گا اور آئندہ اولاد کے لئے کیا بچے گا اور اس ملک اور شام اور عراق کے رہنے والے لوگوں اور بیواؤں کو کیا ملے گا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ میں یہ زمینیں اور اُن کے کسانوں کو روک لُوں اور اُن کے اُوپر ایک خراج مقرر کر دوں اور اِس طرح شرعی طور پر ایک جزیہ مقرر کر دوں جو وہ دیتے رہیں۔ پس یہ ایک مال ہوگا اُن مسلمانوں کے لئے جو آئندہ جنگ میں حصہ لیں گے اور اُن کی اولادوں کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے جو اُن کے بعد آئیں گے۔ کیا تمہاری رائے نہیں کہ یہ اسلامی سرحدیں اِس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ وہاں فوجیں رہیں جو ہر وقت اُن کی نگہداشت کریں؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ بڑے بڑے شہر جیسے دمشق اور جزیرہ اور کوفہ اور بصرہ اور مصر کے لئے ضروری ہے کہ فوجوں کے ساتھ اُن کی حفاظت کی جائے اور مقررہ وظائف فوجیوں کو ملتے رہیں؟ اگر یہ زمینیں اور ان کے کسان تقسیم کر دیئے جائیں تو وہ فوجی کس روپیہ سے مہیّا کئے جائیں گے جن کی

ملک کی حفاظت کے لئے ضرورت ہے۔ اِس پر صحابہؓ نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا ہے درست ہے اور جو کچھ آپ نے سمجھا وہی صحیح ہے۔

بعض اورآثار میں یہ زائد بات بھی بیان کی گئی ہے کہ صحابہؓ برابر کئی دن تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ تیسرے دن حضرت عمرؓ نے کھڑے ہوکر کہا کہ مجھے قرآن شریف کی ایک آیت سے حوالہ مل گیا جس سے میرا استدلال درست ثابت ہوتا ہے چنانچہ اس بارہ میں مندرجہ ذیل روایت کتاب الخراج میں لکھی ہے۔

حدثنی محمد بن اسحاق عن الزھری ان عمر بن الخطابؓ استشار الناس فی السواد حین افتتح فرأی عامتھم ان یقسمه وکان بلال بن رباح من اشدھم فی ذلک وکان رأی عمرؓ ان یترکه ولا یقسمه فقال اللھم اکفنی بلا لاواُصحابه ومکثوا فی ذلک یومین او ثلاثة اودون ذلک ثم قال عمرؓ انی قد وجدت حجة قال اللّٰہ تعالی فی کتابه ما افاء اللّٰہ علی رسوله منھم فما اوجفتم علیه من خیل ولارکاب ولکن اللّٰہ یسلط رسله علی من یشاء واللّٰہ علی کل شیئ قدیر حتی فرغ من شأن بنی النضیر فھذه عامة فی القری کلھاثم قال ما افاء اللّٰہ علی رسوله من اھل القری فللّٰہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین و ابن السبیل کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم و ما اتکم الرسول فخدوه ومانھکم عنه فانتھوا واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ شدید العقاب ۔ ثم قال للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللّٰہ و رضوانا۔ وینصرون اللّٰہ و رسوله اولئک ھم الصدقون ثم لم یرض حتی خلط بھم غیرھم فقال والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجة مما اوتوُا ویؤثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاؤلئک ھم المفلحون۔ فھذا فیما بلغنا واللّٰہ اعلم۔ للانصار خاصة ثم لم یرض حتی خلط بھم غیر ھم فقال والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بِالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غِلا للذین اٰمنوا ربنا انک رء وف رحیم ۔ فکانت

ھذہ عامة لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفئ بین ھؤلاء جمیعا فکیف نقسمه لھؤلاء و ندع من تخلف بعدھم بغیر قسم فاجمع علی ترکه وجمع خراجه [۱۰۱] یعنی محمد بن اسحاق نے امام زہری سے روایت کی ہے کہ جب سوادِ عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس کے متعلق مشورہ کیا۔ اُن میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ اس کو تقسیم کر دیا جائے اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ شدت سے اس بات پر مصِرّ تھے کہ یہ ضرور تقسیم ہونا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اس کو چھوڑ دیا جائے اور فی الحال تقسیم نہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اِن لوگوں کی مخالفت دیکھتے تھے تو بے اختیار اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! بلالؓ اور اُس کے ساتھیوں کے اعتراض سے مجھے بچا اور اُن کا جواب مجھے خود سمجھا۔ یہ بحث دو تین دن تک یا اِس سے کم وبیش جاری رہی۔ آخری دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک دلیل مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے رسول کو عطا فرمائے ایسی چیزیں جن پر تمہارے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑے بلکہ اُس نے خود ہی اپنے فضل سے اپنے رسول کو جس چیز پر چاہا قبضہ دے دیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اِس آیت کی تلاوت کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا یہاں تک تو یہودیوں کے بنو نضیر قبیلہ کے متعلق ذکر تھا اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگلی آیتوں میں تمام ملکوں کے متعلق احکام جاری فرمائے ہیں اور فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بستیوں اور اُن کے باشندوں میں سے بخشا وہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے اور قریبیوں کا ہے اور یتامیٰ کا ہے اور مساکین کا ہے اور مسافروں کا ہے تا کہ یہ مال تم میں سے امیروں کے درمیان چکر کھانے والا نہ بن جائے۔ اور رسول اِس مال میں سے تم کو جو کچھ دے وہ لے لو اور جس بات سے روکے اُس سے رُک جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اللہ سزا دینے میں سخت بھی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے کہ یہ مال مہاجر غریبوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنے مالوں سے محروم کئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضاء کی جستجو میں رہتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے لوگ ہیں۔ اتنی آیتیں پڑھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو! پھر اللہ تعالیٰ نے اِسی پر بس نہیں

کیا بلکہ اُن کے ساتھ ایک اور جماعت کو ملایا ہے اور فرماتا ہے اور اُن لوگوں کے لئے بھی جو اس گھر میں پہلے سے رہتے تھے اور جنہوں نے کہ ایمان کو اپنے دلوں میں داخل کر لیا تھا وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اُن کے شہر میں آ بسے ہیں اور اپنے دلوں میں اُس مال سے جو اُن کو دیا جائے پورا استغناء محسوس کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی غربت اور فاقہ میں کیوں نہ مبتلا ہوں۔ اور جس قوم کے دل سے اللہ تعالیٰ بخل کو دور کر دے وہ قوم بڑی کامیابی پانے والی ہوتی ہے۔ یہ آیتیں پڑھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تک ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا ہے یہ آیتیں خاص طور پر انصار کے متعلق ہیں۔ پھر فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اِسی پر بس نہیں کی بلکہ اُن کے ساتھ ایک اور جماعت کو ملا دیا اور فرمایا وہ لوگ جو اُن کے بعد آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش اور ہمارے اُن بھائیوں کو بخش جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور ہمارے دلوں میں مومنوں کے متعلق بغض پیدا نہ کر تُو بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ پھر فرمایا دیکھو! یہ آیت اُن سب لوگوں کے متعلق ہے جو بعد میں آئیں گے اور قرآنی فیصلہ کے مطابق حکومت کو تمام لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ پس ہم کس طرح تمام اموال کو موجودہ نسل میں تقسیم کر دیں اور جو ابھی تک آئے نہیں اُن کا حصہ کوئی چھوڑیں ہی نہ۔ اِس پر تمام صحابہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے اور سوادِ عراق پر خراج لگانے کا فیصلہ دے دیا گیا۔

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ یہ کوئی اسلامی فتویٰ نہیں کہ تمام مفتوحہ ممالک کی زمین حکومت کی ہوتی ہے۔ اگر یہ فتویٰ ہوتا تو عرب کے مفتوحہ علاقوں کی زمین کیوں تقسیم کی جاتی؟ یا سوادِ عراق سے باہر عراق کے علاقوں کی یا شام کے بعض علاقوں کی زمین کیوں تقسیم کی جاتی؟ جو بات اِس حوالہ میں سے نکلتی ہے وہ صرف اِس قدر ہے کہ حکومت کو صرف اپنے موجودہ زمانہ کے لوگوں کی ضرورتوں کا ہی خیال نہیں رکھنا چاہئے بلکہ آئندہ زمانہ کے لوگوں کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِسی خیال کے ماتحت ساری فتوحات نہیں بلکہ فتوحات کا ایک حصہ حکومت کے قبضہ میں رکھا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ علاقے بھی آخر حکومت نے تقسیم کر دیئے اور

لوگوں کی ملکیت ہوگئے اور ایسی ملکیت ہوگئے کہ جب بنو عباس نے شاید اسی قسم کے فتویٰ سے متاثر ہو کر جو اِس وقت زمیندارہ کے خلاف لوگ دے رہے ہیں لوگوں سے زمین چھین کر بغداد بسایا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اِس چھینی ہوئی زمین کے مقبرہ میں دفن ہونا بھی پسند نہ فرمایا اور وصیت کی کہ مجھے اِس جگہ سے باہر دفن کیا جائے۔

پُرانے فقہا نے جو کچھ سواد کے متعلق سمجھا ہے میں اس کے متعلق بھی اس جگہ پر ایک حوالہ نقل کر دیتا ہوں۔ حنفیوں کی مشہور کتاب ردّالمختار شامی میں لکھا ہے۔ **سواد العراق ای قراہ وکذا کل مافتح عنوۃ واقر اھلہ علیھا اوصولحوا ووضع الخراج علی ارضیھم فھی مملوکۃ لاھلھا............ لان الامام اذا فتح ارضا عنوۃ لہ ان یقرا ھلھا علیھا ویضع علیھا الخراج وعلی رؤو سھم الجزیۃ فتبقی الارض مملوکۃ لاھلھا** [۱۰۲] یعنی سوادِ عراق کی زمین اور اسی طرح اُن تمام ممالک کی زمین جو زور کے ساتھ فتح کئے گئے ہوں اور فاتح حکومت نے اُس ملک کے باشندوں کو اُن کی زمینوں پر قابض رہنے دیا ہو یا ایسے ملک جن کے ساتھ صلح کی گئی ہو اور اُن کی زمین پر خراج لگا دیا گیا ہو یہ سب کی سب (سوادِ عراق اِس میں شامل ہے) اُن زمینوں کے مالکوں کی ملکیت ہونگی کیونکہ جب امام کسی زمین کو زبردستی فتح کرے تو وہ اگر مناسب سمجھے تو اُس جگہ کے لوگوں کو اُس پر قابض رہنے دے اور اُن پر خراج مقرر کر دے اور جزیہ لگا دے اِس صورت میں زمین اُنہی لوگوں کی رہتی ہے جن کے قبضہ میں وہ ہوتی ہے۔

اِس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ سوادِ عراق کی بحث کا زمینوں کی ملکیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور جیسا کہ مَیں نے ردالمختار شامی کے حوالہ سے بتایا ہے سوادِ عراق کی زمینوں کو حنفیوں نے ویسی ہی افراد کی مملوکہ زمینیں قرار دیا ہے جیسا کہ کوئی اَور زمین ہو۔ شاہی زمین ہونے کی وجہ سے لوگوں کی ملکیت میں کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔ شاہی زمین ہونے کے محض اتنے معنی ہیں کہ اُس زمانہ میں جب وہ ملک فتح ہوا اُس زمین کے حقوقِ ملکیت کسی اَور شخص کو نہیں دیئے گئے لیکن بعد میں جب وہ حقوق دوسروں کو دیدیئے گئے تو وہ لوگ جو اُس پر قابض تھے اُن سب کو ویسا ہی مالک سمجھا گیا جیسا کہ دنیا میں کوئی اَور مالک ہوتا ہے۔

پھر اِسی کتاب میں لکھا ہے۔**ان ارض سواد العراق مملوکة لاھلھا یجوز بیعھم لھا وتصرفھم فیھا وکذلک ارض مصر و الشام** [۱۰۳] یعنی سوادِ عراق کی زمین جن لوگوں کی ملکیت میں ہے وہ اُنہی کی مملوکہ ہے (حکومت کی نہیں) وہ اُس کو بیچ بھی سکتے ہیں اور جس طرح چاہیں اُس میں تصرّف بھی کر سکتے ہیں (یعنی عمارتیں وغیرہ بنالیں یا باغ بنالیں) اِسی طرح مصر اور شام کی زمین کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔

خلاصہ یہ کہ سوادِ عراق کے محض اتنے معنی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اُس زمین کو اُسی زمانہ کے مسلمانوں میں تقسیم کر کے عُشری نہیں بنایا بلکہ اُس کو خراجی رہنے دیا تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں میں اُن زمینوں کو تقسیم کیا جا سکے اور اُن کے لئے بھی کچھ حصہ باقی رہے۔ ورنہ جو کسان اُس پر قابض تھے وہ اُس کے ویسے ہی مالک تھے جیسے اور موروثی کسان مالک ہوتے ہیں اور جن لوگوں کو وہ زمین دی جاتی تھی یا جو حکومت سے خریدتے تھے وہ اُس کے ویسے ہی مالک ہوتے تھے جیسے کوئی اَور زمینوں کا مالک ہوتا ہے۔

اگر کسی کے دل میں یہ شبہ ہو کہ آیا حکومت کا مال فروخت بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے لئے میں چند حوالے پیش کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا کتاب میں ہی لکھا ہے۔**لوباع شیئا من بیت المال صح بیعه** [۱۰۴] اگر امام یعنی حکومت بیت المال کی چیزوں میں سے کسی چیز کو بیچے تو اُس کی بیع درست ہوگی۔

اِسی طرح لکھا ہے۔**من اشتری شیئا مما صارت لبیت المال فقد ملکھا** [۱۰۵] جو شخص کوئی ایسی چیز خریدے جو بیت المال کی تھی تو وہ اس کا پوری طرح مالک ہو جائے گا بلکہ یہاں تک لکھا کہ اگر کوئی خراجی زمین حکومت سے خریدے تو وہ بھی خراجی نہیں رہے گی عُشری بن جائے گی۔

چنانچہ لکھا**ان الخراج ارتفع عن اراضی مصر لعودھا الی بیت المال بموت ملاکھا فاذا اشترھا انسان من الامام بشرطه شراء صحیحا ملکه ولا خراج علیھا لان الامام قد اخذ البدل للمسلمین** [۱۰۶] یعنی مصر کی زمین پر سے خراج اُڑ گیا۔مصر کی زمین سے خراج کیوں اُڑا؟ اِس لئے کہ اُس کے قابض اُمراء کے مرنے کے بعد وہ زمین بیت

المال کی ہوگئی اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حکومت سے شرائط کے مطابق صحیح سودا کرے تو وہ اُس کا پورا مالک بن جاتا ہے اور اِس لئے اُس زمین پر خراج نہیں رہتا اِس لئے کہ امام نے جو اُس زمین میں مسلمانوں کا حصہ تھا اُس کے بدلہ میں خریدار سے قیمت وصول کر لی۔ یعنی علّامہ شامی یہ سوال اُٹھا کر مصر کی زمین جو خراجی تھی اب وہ عُشری کیوں ہوگئی ہے؟ اِس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ پہلے مصر خراجی تھا کیونکہ وہ فتح کیا گیا تھا اور فتح کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کی ملکیت ہوگیا تھا لیکن مصر کے رؤساء کے پاس ہی اُن کی زمینیں رہنے دی گئی تھیں اور حکومت جو مسلمانوں کی قائم مقام تھی وہ مسلمانوں کے حق کے طور پر اُن رؤساء سے خراج لیتی تھی۔ اِس کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا کہ وہ رؤساء اور زمیندار مر گئے اور اُن کی زمینیں لاوارثی کے طور پر پھر حکومت کے پاس آ گئیں اور مسلمانوں نے حکومت سے وہ زمینیں دوبارہ خریدیں تو اب وہ خراجی نہ رہیں۔ کیونکہ حکومت یعنی مسلمانوں کی نمائندہ طاقت نے زمین کی قیمت خریدار سے وصول کر لی اور اس طرح جو مالکانہ حصہ تھا وہ حکومت کے پاس چلا گیا۔ پس خراج جو مالکانہ حصہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے وہ روپیہ کی صورت میں حکومت کو مل گیا یا دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کو مل گیا۔ اب صرف عُشر رہ گیا جو خدا تعالیٰ کا حصہ ہے جس کو نہ کوئی معاف کر سکتا ہے نہ بخش سکتا ہے۔

دیکھو! اس حوالہ میں کتنی وضاحت سے یہ بات بتا دی گئی ہے کہ خراج درحقیقت قائم مقام ہے اُس مالکانہ حق کا جو مفتوحہ ملک پر مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کوئی زمین حکومت سے خرید لے یا حکومت اُس کو بخش دے تو پھر اُس پر سے خراج اُڑ جاتا ہے اور صرف عُشر باقی رہ جاتا ہے اور حکومت کو آئندہ اُس زمین کے متعلق کوئی اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ خریدار کو یا جس کو ہبہ کے طور پر زمین دی گئی ہو کلّی طور پر ملکیت کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔

اقلیت کی رپورٹ میں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کا بھی ایک حوالہ دیا گیا ہے مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کو بھی شریعت کے متعلق کوئی خصوصی مقام حاصل ہونے کا دعویٰ نہیں نہ اُن کی طرف سے کوئی ایسی دلیل ہی پیش کی گئی ہے جس کو شرعی طور پر ردّ کرنے کی ضرورت ہے۔

میں قریباً اُن تمام باتوں کا اُوپر جواب دے چکا ہوں جو زمینداری کے مخالف لوگوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں اور خصوصاً وہ باتیں جو سندھ گورنمنٹ زراعتی کمیٹی کی اقلیت کی رپورٹ میں درج کی گئی ہیں۔ البتہ ایک بات رہ گئی ہے جو کوئی شرعی دلیل تو نہیں لیکن ایک جذباتی دلیل ضرور ہے اور وہ ابن تین کا قول ہے یعنی چھٹی صدی ہجری کے ایک محدث ابن تین کا ایک قول نقل کیا گیا ہے جو یہ ہے:۔

''ہمارا آج کا مشاہدہ بھی یہ ہے کہ سب سے زیادہ تکلیف اور دُکھ پانے والی جماعت کسان ہیں۔'' ۱۰۷ے

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس حوالہ کا ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔ اِس حوالہ میں ہرگز اس طرف یہ اشارہ نہیں ہے کہ کسانوں کی حالت خراب ہے جیسا کہ اقلیتی رپورٹ نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اِس رپورٹ میں اِس حوالہ کے نقل کرنے سے پہلے یہ لکھا ہے کہ:۔

''زمیندارہ طریق نے ایک وسیع مصیبت اور غربت کسانوں میں پیدا کر دی تھی یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں بھی ابن تین کو یوں لکھنا پڑا۔''

اِن الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ رپورٹ لکھنے والے صاحب پڑھنے والے پر یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ گویا اوپر کی عبارت میں کسان کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو زمیندار کے ظلم کی وجہ سے اُس پر وارد ہو رہی تھی حالانکہ اِس حوالہ میں ہرگز اس کی طرف اشارہ بھی نہیں۔ ابن تین کی پوری عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔

''ابن تین کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات (جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا) غیب کی خبروں میں سے تھی کیونکہ یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہے کہ اکثر ظلم کھیتی کرنے والوں پر ہوتا ہے۔''

اِس حوالہ میں کھیتی باڑی کے الفاظ ہیں جو ہرگز کسان پر دلالت نہیں کرتے۔ بارہ ایکڑ یا پندرہ ایکڑ یا پچیس ایکڑ والا وہ زمیندار جو اَب پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے وہ بھی کھیتی باڑی کرنے والا آدمی ہوگا اور ویسا ہی آدمی جو پہلے گزر چکا ہو وہ بھی کھیتی باڑی کرنے والا تھا

خواہ وہ اپنی زمین کا آپ مالک تھا۔ پس اِس عبارت سے وہ نتیجہ نکالنا جو نکالا گیا ہے بالکل خلافِ واقعہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اِس عبارت کو سمجھنے کے لئے اِس کے پہلے حصّہ کا درج کرنا بھی ضروری تھا جس کو رپورٹ لکھنے والے نے حذف کر دیا ہے اور وہ پہلا حصہ یہ ہے کہ **''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات پیشگوئی کے طور پر معلوم ہوتی ہے۔''** اِس حصہ کو اگر رپورٹ لکھنے والے صاحب ساتھ نقل کر دیتے اور یہ حصہ اُس کتاب میں موجود ہے جس سے انہوں نے یہ حوالہ نقل کیا ہے تو غالباً اُن پر بھی حقیقت کھل جاتی اور پڑھنے والوں پر بھی حقیقت کھل جاتی۔ اگر وہ حوالہ پورا نقل کرتے تو ہر شخص یہ سوال کرتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کونسی بات ہے جس کی طرف ابن تین اشارہ کرتے ہیں اور جب وہ بات اس کے سامنے آتی تو ساری حقیقت اُس پر واضح ہو جاتی۔

وہ بات جس کی طرف ابن تین نے اشارہ کیا ہے وہ ایک حدیث ہے جو بخاری میں بھی اور بہت سی دوسری کتب احادیث میں بھی درج ہے۔ اِس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ **عن ابی امامة الباھلی انہ رای سکة و شیئا من الة الحرث فقال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا یدخل ھذا بیت قوم الا ادخلہ اللّٰہ الذل** [۱۰۸] یعنی ابی امامۃ الباہلیؓ کی نسبت روایت ہے کہ انہوں نے ہل اور زراعت کے آلات میں سے کوئی اَور آلہ دیکھا تو فرمایا میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ چیز یعنی زراعت کا آلہ کسی قوم میں داخل نہیں ہوتا کہ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اُس کے گھر میں ذلّت نہ داخل کر دیتا ہو۔

ابن تین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً بطور پیشگوئی کے فرمائی تھی کیونکہ زمینداروں پر (جس میں زمیندار اور کاشتکار دونوں شامل ہیں نہ کہ صرف کاشتکار) اِس زمانہ میں سب سے زیادہ ظلم ہوتا ہے۔

ابن تین کی بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے مَیں خود اس حدیث کے متعلق اَئمہ اہلحدیث کے اقوال درج کرتا ہوں۔ امام محمدؒ مبسوط میں فرماتے ہیں۔ **مراد الحدیث ان المسلمین اذا اشتغلوا بالزراعة واتبعوا اذناب البقر وقعدوا عن الجھاد کر علیھم**

عدوھم فجعلوھم اذلة [۱۰۹] یعنی اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب مسلمان زراعت میں مشغول ہو جائیں گے (صاف ظاہر ہے کہ یہاں صرف کسان مراد نہیں) اور بیلوں کی دُموں کے پیچھے پیچھے چلیں گے اور جہاد کو چھوڑ دیں گے تو اُن پر دشمن لوٹ کر حملہ کرے گا اور اُن کو ذلیل کر دے گا۔

اِسی طرح اُنہوں نے لکھا ہے کہ **ظنوا ان المراد بالتزام الخراج ولیس کذلک** [۱۱۰] یعنی بعض لوگوں نے اس حدیث کے یہ معنے کئے ہیں کہ زراعت کرنے سے ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اور یہ ذلّت ہے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں یہ ہرگز مراد نہیں بلکہ مراد وہ ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی اِس بارہ میں یُوں فرماتے **اعلم ان النبیﷺ بعث بالخلافة العامة وغلبة دینه علی سائر الادیان لا یتحقق الا بالجهادو اعداد الاته فاذا ترکوا الجهاد واتبعوا اذناب البقر احاطه بهم الذل وغلب علیهم اهل سائر الادیان** [۱۱۱] یعنی یاد رکھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور سارے دینوں پر آپ کے دین کا غلبہ جہاد اور جہاد کے سامانوں کی تیاری کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ پس جب مسلمانوں نے جہاد چھوڑ دیا اور بیلوں کی دُموں کے پیچھے چل پڑے (یعنی کھیتی باڑی کرنے لگے) تو ذلّت نے اُن کو گھیر لیا اور دوسرے دینوں والے لوگ اُن پر غالب آ گئے۔

عینی شرح بخاری میں بھی اِس حدیث کے متعلق یُوں لکھا ہے۔ **ھذا لمن یقرب من العدو فانه اذا اشتغل بالحرث لایشتغل بالفروسیة ویتاسد علیه العدو واما غیرھم فالحرث محمود لهم وقال عزوجل واعدوا لهم ماستطعتم الایة وھو لا تقوم الا بالزراعة ومن ھو بالثغور اوبمقاربة للعدو لایشتغل بالحرث فعلی المسلمین ان یمدوھم بمایختاجون الیه** [۱۱۲] (جو حنفیوں کی لکھی ہوئی بخاری کی شرح ہے) یعنی یہ حدیث تمام مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اُن مسلمانوں کے لئے ہے جو دشمن کے قریب ہیں کیونکہ اگر وہ کھیتی باڑی میں لگ جائیں تو پھر جنگی فنون کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن اُن پر دلیر ہو کر حملہ آور ہو جائے گا۔ اور جو اُن کے سوا ہیں یعنی اندرونِ ملک کے رہنے والے اُن کے لئے کھیتی ہے اُن کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

دشمن کیلئے اُن تمام ذرائع سے کام لے کر تیاری کرو جو تمہاری طاقت میں ہوں اور یہ حکم بغیر زراعت کے پُورا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو فوجیں سرحدوں پر بیٹھی ہوں گی یا دشمن کے قرب و جوار میں رہتی ہوں گی وہ تو کھیتی باڑی میں مشغول نہیں ہوسکتیں پس دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ کھیتی باڑی کر کے اُن فوجوں تک غلّہ اور دوسرے کھانے پینے کے سامان بھجوائیں۔

دیکھئے اِن حوالوں سے ابن تین کی بات کس قدر بدل جاتی ہے۔ ابن تین اپنے پاس سے بات نہیں کہتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اِس حدیث میں کسانوں کا ذکر نہیں بلکہ زراعت کرنے والوں کا ذکر ہے اور علمائے اسلام نے اِن احادیث کے یہ معنی کئے ہیں کہ یہ حدیث اُن مسلمانوں کے لئے ہے جن کے ذمہ حفاظت ملک کا کام ہوتا ہے اُن کو کھیتی باڑی میں مشغول نہیں ہونا چاہئے اگر وہ ایسا کریں گے تو پھر جنگی فنون کی طرف سے غافل ہو جائیں گے۔ ورنہ کھیتی باڑی ایک اچھا فعل ہے۔ پس حدیث میں نہ کسی کسان کا ذکر ہے نہ کسی زمیندار کے ظلم کا ذکر ہے بلکہ مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک حصہ کو (کیونکہ اُس وقت باقاعدہ فوجیں نہیں ہوتی تھیں) کھیتی باڑی کی فکروں سے آزاد کر دیں۔ تاکہ وہ لوگ کلّی طور پر فارغ ہو کر فنونِ جنگ کے سیکھنے میں لگ جائیں اور دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ ظاہر ہے کہ اِن معنوں سے کھیتی باڑی کرنے والے کی تعریف کی گئی ہے مذمّت نہیں کی گئی اور کسانوں کا ظلم نہیں بیان کیا گیا بلکہ خواہ ملکیتی زمین رکھنے والا ہو یا مقاطعہ کی زمین رکھنے والا ہوا گر وہ فوج میں اپنے آپ کو بھرتی کرتا ہے یا ایسے مقام پر ہے جہاں سے اُسے فوجی خدمت کے لئے بُلانے کی ضرورت پیش آجائے گی تو اُسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ زراعت کے کام کی طرف توجہ نہ کرے تاکہ وہ جنگ کے کاموں کی طرف پوری توجہ دے سکے۔

قرآن شریف میں بالکل اِسی رنگ کا یہودیوں کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام یہودیوں کو کنعان کی طرف لے کر جا رہے تھے تاکہ اُس ملک کی بادشاہت اُن کے حوالے کی جائے تو رستہ میں بہت سی مشکلات پیش آئیں اور کئی قوموں سے اُنہیں جنگیں کرنی پڑیں۔ ایک لمبا عرصہ گذر جانے کی وجہ سے یہودی گھبرا گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے کہا۔ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا [۱۱۳] یعنی اے موسیٰ! یہ جنگل کی کھمبیاں اور بوٹیاں کھانی اور شکاری پرندے پکڑ کر کھانے ہمیں پسند نہیں۔ ہمیشہ ایک ہی کھانے پر ہم کب تک صبر کرتے چلے جائیں۔ پس تُو اپنے ربّ سے کہہ کہ وہ ہمارے لئے وہ چیزیں پیدا کرے جو زمین اُگاتی ہے جیسے سبزی، ککڑیاں، کھیرے، ساگ، گندم دالیں اور پیاز وغیرہ۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۚ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۚ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ [۱۱۴] یعنی اے لوگو! کیا تم اچھی چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز لیتے ہو؟ اگر تمہاری ایسی ہی خواہش ہے تو جاؤ کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں جو کچھ تم مانگ رہے ہو وہ تمہیں مل جائے گا۔ سو اُن کے اِس قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن پر ذلّت اور مسکینی نازل کی اور خدا تعالیٰ کے غضب نے اُن کے گھروں میں ڈیرے ڈال دیئے۔

دیکھو! اس آیت میں ترکاریاں مانگنے کے خلاف کتنی شدّت سے غصّہ کا اظہار کیا گیا ہے حالانکہ ترکاری بُری چیز تو نہیں اچھی چیز ہے۔ خود قرآن شریف نے میووں وغیرہ کی تعریفیں کی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ترکاری پسند تھی۔ قرآن شریف میں حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ اُن کے لئے خدا تعالیٰ نے کدو کا درخت اُگایا یعنی وہ اُس کا پانی پی پی کر طاقت حاصل کرتے تھے۔ تو جب قرآن شریف اور حدیث میں کئی ترکاریوں کی تعریف آئی ہے اور وہ بھی خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں تو اتنا غضب اُن پر کیوں نازل کیا گیا۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ یہودی لوگ اُس وقت دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اُن کے قومی حالات کے مناسبِ حال یہی پیشہ تھا کہ شکار کرتے، جانور پکڑتے، خودرو سبزیاں کھاتے اور ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہتے۔ اگر وہ کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاتے تو لازماً اُن کا سفر وہیں رُک جاتا اور کنعان جانے سے پہلے پہلے ہی وہ ایک چھوٹا سا قبیلہ بن کر اپنے اِردگرد کی اقوام میں مدغم ہو جاتے۔ یہی بات ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے جس کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا گیا ہے۔ ابن تین کا مفہوم بھی یہی ہے کہ زمیندار بوجہ اِس کے کہ اپنی جگہوں سے ہل نہیں سکتے

اور زمینوں کی ملکیت کی وجہ سے اپنے مقام کو چھوڑ نہیں سکتے بادشاہ اُن پر زیادہ ظلم کر سکتے ہیں۔ تاجر پر اتنا ظلم نہیں کیا جا سکتا۔ صناع پر اتنا ظلم نہیں کیا جا سکتا تاجر اپنی تجارت نسبتاً آسانی کے ساتھ دوسرے ملک میں منتقل کر سکتا ہے۔ اِسی طرح صناع اپنے ہتھیار لے کر دوسرے صوبہ یا ملک میں جا سکتا ہے لیکن زمیندار اپنی زمین اُٹھا کر نہیں لے جا سکتا اس لئے وہ مجبور ہے کہ پولیس کے انتظامی افسروں کے، زراعتی افسروں کے اور تعلیمی افسروں کے ظلم سہے اور ڈالیوں سے اُن کے گھر بھرتا رہے، مگر اس وجہ سے اپنے گھر میں بیٹھا رہے کہ میں اپنی زمین چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ پس ابن تین نے کسانوں کی حالت کا نقشہ نہیں کھینچا بلکہ زمیندار کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے جو زمین کا مالک ہوتا ہے اور وہی ہے جو زمین چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ ورنہ کسان تو زمیندار سے زیادہ آزاد ہوتا ہے اگر کسی علاقہ میں اُس پر ظلم ہو تو وہ اُس کو نسبتاً آزادی سے چھوڑ سکتا ہے۔

گیارھواں باب

سندھ زمیندارہ کمیٹی اور مسلم لیگ کی زمیندارہ کمیٹیوں کی رپورٹوں کی بعض خامیوں پر عقلی بحث

مرکزی مسلم لیگ زراعتی کمیٹی نے جو رپورٹ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے پاس کی ہے اُس کا جو خلاصہ مَیں نے اخباروں میں پڑھا ہے اُس میں علاوہ اُن دینی خامیوں کے جن میں سے بعض کا مَیں اُوپر ذکر کر چکا ہوں مجھے عقلی طور پر بھی ایک خامی نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اُس میں وقف جائیدادوں کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ فرض کریں کہ اسلام افراد کے پاس جائیدادیں جائز نہ بھی سمجھتا ہو تو بھی وقف تو اسلام کا ایک ضروری حصہ ہے اور افراد کی تعلیمی اور تربیتی اور مذہبی جدّوجہد کے لئے اور اُن کے اندر ترقی کی رُوح قائم رکھنے کے لئے اور مُلکی خدمت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اسلام نے وقف کا اصول تسلیم فرمایا ہے۔ شروع اسلام سے برابر وقف ہوتے چلے آئیں ہیں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ماتحت صحابہؓ نے وقف کئے اور حضرت طلحہ انصاری اور حضرت عمر خلیفہ دومؓ نے اِس میں حصہ لیا۔ اگر وقف کی جائیدادیں بھی چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں تو قطع نظر اِس کے کہ ایسا کرنا شریعت کے خلاف ہوگا۔ قومی روح کے بھی خلاف ہوگا۔ اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ ملک میں ایک TOTALITARIAN یعنی حاویِ کُل حکومت (حکومت مانعہ کافہ) ہو جس کے باہر کوئی جدوجہد باقی نہ رہے۔ حالانکہ جہاں ملک کی ترقی کے لئے اتحاد ضروری ہے، جہاں ملک کی ترقی کے لئے حکومتی کاموں کے لئے ایک مرکزی نقطہ کی ضرورت ہے وہاں افراد میں ترقی کی رُوح کو زندہ رکھنے اور بیداری کے جذبات کو اُبھارنے کے لئے انفرادی اور آزاد اجتماعی جدوجہد کا قائم رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔

جو لوگ کمیونسٹ خیالات کے ساتھ اتحاد رکھتے ہیں لیکن ابھی کمیونسٹ نہیں ہوئے اُن کا

آخری نقطہ یہی ہوتا کہ گو ہم کمیونسٹ خیالات سے متاثر ہیں لیکن ہم اُن کی TOTALITARIAN یعنی حاوی کل حکومت کے مخالف ہیں۔ اِس نظام کے ساتھ انسان کی آزادی ضمیر اور ترقی کی خواہش بالکل کچلی جاتی ہے اور وہ ایک آلہء بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ کوئی عقلمند شخص بھی دنیا میں ایسا نہیں جو اس نکتہ میں کمیونسٹ اصول کے ساتھ متفق ہونے کے بعد کمیونزم سے باہر رہا ہو۔ جب کوئی شخص اس نکتہ کو تسلیم کر لیتا ہے تو لازماً پکّا کمیونسٹ ہو جاتا ہے کیونکہ کمیونزم کے خلاف انسانی دماغ کے جہاد کی آخری خندق یہی ہے۔ اس مورچہ میں کھڑے ہو کر اُسی وقت انسان کمیونزم سے جنگ کرتا ہے جب باقی سارے مورچے کھو چکا ہوتا ہے۔ پس وقف اور آزاد اجتماعی کوشش انسانی دماغ کی آزادی کا اُس کی ترقی کے لئے جدوجہد کا آخری سہارا ہے۔ اگر یہ سہارا بھی کسی قانون کے ماتحت اُڑا دیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ملک میں کوئی بھی آزاد جدوجہد ترقی کے لئے باقی نہ رہے۔ سوال یہ نہیں ہوتا کہ حکومت کے موجودہ افراد کس حد تک قابلِ اعتبار ہیں بلکہ سوال یہ ہوا کرتا ہے کہ آیا اِس بات کا کوئی ضامن موجود ہے کہ ہمیشہ ہی قابلِ اعتبار لوگ برسرِ اقتدار آتے رہیں گے؟ اور سوال یہ ہوا کرتا ہے کہ موجودہ برسرِ اقتدار لوگوں کے مر جانے یا کسی حادثہ کا شکار ہو جانے یا بیکار ہو جانے یا کسی بات سے خفا ہو کر خود حکومت سے علیحدہ ہو جانے یا کسی سبب سے جو غلط ہو یا درست ملک کے لوگوں کے ان کو حکومت سے الگ کر دینے کے بعد ملک کے آزاد لوگوں میں سے کوئی طبقہ ایسا بھی ہوگا جو اُن کی جگہ لے سکے؟ اور کوئی طبقہ ایسا بھی ہوگا جس نے آزاد فکر اور غور کے بعد ترقی کے لئے مزید راہیں سوچی ہوں گی؟ یہ امر کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ملک کے مختلف افراد اپنے اپنے نقطۂ نگاہ کے ماتحت آزاد وقفوں اور چندوں کے ذریعہ سے ملک کی ترقی کے متعلق نئے نئے تجارب نہ کرتے رہے ہوں۔ پس وقف کے معاملہ پر مرکزی مسلم لیگ زمیندارہ کمیٹی کا روشنی نہ ڈالنا عقلاً ایک بہت بڑا سُقم ہے، جیسا کہ شرعاً ایک ناجائز فعل ہے۔ اوقاف کے ٹوٹ جانے کے بعد جو اُس قانون کا لازمی نتیجہ ہے جس کا خلاصہ میں نے پڑھا ہے یقیناً کمیونزم کا مقابلہ کرنے کی کوئی رُوح ملک میں باقی نہیں رہے گی اور ملک کا نوجوان جس کی عادت غور کرنے کی ہوگی نہ کہ صرف کتابیں پڑھنے اور اُن پر ایمان لانے کی اِس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ میرے ملک نے کمیونزم کے

آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

دوسرا عقلی اور خلاف عدل نقص اِس میں یہ ہے کہ اِس رپورٹ نے جہاں منڈی سے بہت کم قیمتوں پر زائد زمینوں کی ضبطی کی سفارش کی ہے وہاں اُس نے اِس امر کا بالکل خیال نہیں کیا کہ اِس وقت ملک کی لاکھوں ایکڑ زمین ایسی ہے جو لوگوں نے اپنے باپ دادوں سے ورثہ میں نہیں پائی بلکہ خود انہوں نے حکومت سے یا زیادہ سے زیادہ اُن کے باپ نے حکومت سے قیمت دے کر خریدی ہے۔ قطع نظر اِس کے کہ علمائے اسلام کا فتویٰ یہ ہے جیسا کہ میں کتاب کے صفحہ ۱۸۲ پر لکھ آیا ہوں کہ حکومت کی فروخت کردہ زمین نہ صرف یہ کہ کلّی طور پر اس کے اختیار سے باہر چلی جاتی ہے بلکہ وہ زائد ٹیکس سے بھی آزاد ہو جاتی ہے۔ عقل اور انصاف بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص آج سو روپے پر ایک چیز فروخت کر کے دوسرے دن انصاف کے نام پر بیس روپیہ پر وہ چیز واپس لے لے۔ اوّل تو مالکِ زمین کی بتائی ہوئی قیمت پر زمین کا لینا درست ہوسکتا ہے لیکن انصاف کا ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ جو قیمت زمین کی حکومت نے خود وصول کی ہے کم سے کم اُس قیمت پر تو زمین واپس لے۔ گو اسلام کی رُو سے یہ بھی ناجائز ہوگا۔ فقہ حنفیہ میں یہ لکھا ہے **الاصل انه متى ملك انسان شيئا ملكا تاما بسبب من الاسباب السابقة لايجوزان ينتزع منه ماملكه الا برضاه ولكن قد توجددواع...... وهذه الدواعى تنحصر فى الحالتين...... الاولى ان يكون المالك مدينا دينا واجب الاداء وامتنع عن ادائه امتناعا ادى الى رفع الدائن امره الى القاضى وقال الامام ابوحنيفه لا يجوز الحجر على المدين ولابيع املاكه جبرا لان فى ذلک اهداما لادميیه...... الحالة الثانى ان يكون الملک محتاجا اليه للمنافع العامة كحفر الانهار...... ولم يقبل المالک مختار بالثمن الذى يتفق عليه مع الحكومة يحكم القاضى بنزع ملكيتها جبرا عنه فى مقابلة ثمن يقدره الخبراء العادلون** [115]

یعنی اصل حکم تو یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی چیز کا پورا مالک ہو جائے اُن ذرائع سے جن کا ذکر ہم اُوپر کر چکے ہیں (یعنی ورثہ، ہبہ، وقف، خرید، لاوارثی جگہ پر قبضہ با اجازت حکومت یا بچشم پوشی حکومت) تو اُس سے اُس کی ملکیت کا اُس کی مرضی کے بغیر چھین لینا ہرگز جائز نہیں

لیکن بعض دفعہ ایسے امور پیدا ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے اس قاعدہ میں کچھ استثنٰی کرنا پڑتا ہے اور یہ وجوہات دو حالتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ کسی چیز کے مالک نے ایسا قرضہ دینا ہو جس کا ادا کرنا ضروری ہو اور وہ اُس کی ادائیگی سے انکار کر دے اور اُس کا قرض خواہ قاضی کے پاس اُس کا معاملہ لے جائے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ نے اِس صورت میں بھی اُس کی جائیداد کو جبراً فروخت کر کے قرضہ ادا کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ جائز قرار دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو اس کے انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے (گویا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی چیز کے مالک سے اُس کی مملوکہ چیز کا لے لینا خواہ حکومت ہی ایسا کرے یا جج کے حکم سے ہی ایسا کیا جائے اِس لئے درست نہیں کہ یہ انسانیت کے حقوق کے منافی ہے۔ لیکن جیسا کہ اُوپر کی عبارت سے ظاہر ہے امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ بعض دوسرے علماء اِس کو جائز قرار دے دیتے)

دوسری صورت یہ ہے کہ بادشاہ ملک کے عام لوگوں کے فائدہ کے لئے جیسے نہروں کا کھودنا ہے زمین لینے پر مجبور ہو اور مالک زمین حکومت کے ساتھ کسی قیمت پر بھی فیصلہ کرنے پر راضی نہ ہوتا ہو۔ تب معاملہ حکومت کو عدالت کے سامنے لے جانا چاہئے۔ تب عدالت ماہر لوگوں کے فیصلہ کے مطابق جو اُس زمین کی رائج الوقت قیمت مقرر کریں اُس مالک سے زمین کو جبراً چھین کر حکومت کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرسکتی ہے۔

اس حوالہ سے ثابت ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک (اور اس بارہ میں اُنہی کے فتوے موجود ہیں کیونکہ حکومت حنفیوں کے ہاتھ میں رہی ہے) کسی کی زمین کا چھیننا حکومت کے لئے جائز نہیں۔ ہاں اگر ملک کی اجتماعی ضرورتوں کے لئے جیسے نہریں یا سڑکیں یا ریلیں وغیرہ ہیں زمینوں کی ضرورت ہو تو پھر ایسی قیمت پر زمینداروں سے حکومت زمین خرید سکتی ہے جس پر اُس کا اور زمیندار کا باہم سمجھوتہ ہو جائے۔ اگر کسی وجہ سے سمجھوتہ نہ ہو سکے تو پھر حکومت کو عدالت مقررہ کے پاس معاملہ لے جانا ہوگا جو ماہرینِ فن کی ایک کمیٹی مقرر کرے گی جو رائج الوقت قیمت لگائے گی۔ اور اُس قیمت پر زمین جبراً خریدنے کا حق حکومت کو دے گی۔ بغیر عدالت کی اجازت کے اور عدالت کی مقرر کردہ قیمت ادا کرنے کے حکومت جبراً کوئی زمین کسی فرد کی جو

اُس کے ماتحت رہتا ہو نہیں لے سکتی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری حکومت یا دنیا کی کوئی حکومت اِس فیصلہ پر عمل کرے یہ تو حکّام کا کام ہے کہ وہ اپنے لئے قانون تجویز کریں۔ مَیں صرف یہ کہتا ہوں کہ اسلام یا فقہ حنفیہ کے نام پر وہ یہ کام نہ کریں کیونکہ انسان جس چیز کا نام لیتا ہے ذمہ داری اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اسلام یا فقہ حنفیہ کا نام لیں گے تو اس فعل کا جو بھی نتیجہ نکلے گا وہ اسلام اور فقہ حنفیہ کی طرف منسوب ہوگا۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ آج اگر کمیونزم کے زور کی وجہ سے اِس قسم کی باتیں پسند کی جاتی ہیں تو وہ دن آنے والا ہے اور ضرور آنے والا ہے جب ان باتوں کو انصافِ محض کی وجہ سے بُرا قرار دیا جائے گا اور کمیونزم کا نظام کلّی طور پر بدل دیا جائے گا۔ اُس وقت ایک مسلمان کے لئے یہ بات دنیا کے سامنے پیش کرنی بڑی مشکل ہو جائے گی کہ وہ بات جو اسلام کے نام پر پیش کی گئی تھی درحقیقت وہ اسلام نے نہیں سکھائی تھی بلکہ کمیونزم کی بعض تعلیموں کو اسلام کا نام دے دیا گیا تھا۔ گذشتہ زمانوں میں ایسی غلطیاں بعض مسلمانوں نے کی ہیں اور آج ہمیں اُن کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ہمیں اسلامی تعلیم کو وقتی ضرورتوں اور وقتی تقاضوں سے بالکل آزاد رکھنا چاہیے۔ ہمیں ہر نئی تحریک جو کہ دنیا میں پسندیدہ اور مرعوبِ عام ہو جائے اُس کو اسلام کا نام دے کر کل اسلام کے لئے اعتراضات کے دروازے نہیں کھولنے چاہئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت کمیونزم کا خوف دنیا پر طاری ہو رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ بڑی بڑی حکومتیں بھی جو اِس وقت کمیونزم کا مقابلہ کرنے کا دعویٰ کر رہی ہیں اُن کے دل اندر سے کھوکھلے ہو رہے ہیں۔ اُردو زبان کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ:۔

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

یعنی جب دنیا میں لوگ کثرت سے ایک آواز اُٹھانے لگتے ہیں تو قلوب مرعوب ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ الٰہی فیصلہ ہے اور اِسی طرح ہو کر رہے گا حالانکہ وہ آواز محض ایک رَو ہوتی ہے جیسے بہاؤ کی طرف پانی بہتا ہے لیکن ہمیشہ بہاؤ کی طرف بہنے دینا کوئی عقلمندی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ پانی بہاؤ کی طرف بہا کرتا ہے اُن کے ملک اُجڑتے رہے لیکن جنہوں نے یہ کہا کہ بے شک پانی بہاؤ کی طرف بہتا ہے لیکن بہاؤ کا بنانا بھی خدا تعالیٰ نے

انسان کے اختیار میں رکھا ہے آؤ ہم نئے بہاؤ بنائیں۔ اُنہوں نے نہریں بنائیں اور نالے بنائے اور ویران ملکوں کو آباد کر دیا۔ پس کوئی شخص میری بات سنے یا نہ سنے۔ مَیں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں کمیونزم کے خوف کی وجہ سے کوئی بات نہیں کہنی چاہئے۔ اگر کمیونزم اچھی چیز ہے تو اُس سے خوف کے کوئی معنی نہیں ہمیں شوق سے اس کو قبول کرنا چاہئے اور اس کے خلاف سب باتوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔ خواہ مذہب کے نام پر کوئی بات کہی جاتی ہو یا کسی اور نام پر۔ جو بات ٹھیک ہے وہ بہرحال ٹھیک ہے لیکن اگر کمیونزم غلط ہے تو محض اس وجہ سے کہ وہ ایک نئی تعلیم پیش کر رہی ہے جس کی وجہ سے عوام الناس اُس کی طرف بھاگے جارہے ہیں ہمارا اُس کو قبول کر لینا خودکشی کے مترادف ہوگا اور ہمیں بہادروں کی صف میں نہیں بلکہ بُزدلوں کی صف میں کھڑا کرے گا۔

اسلام عیسائیت کی طرح ایسا مذہب نہیں جس نے یہ کہہ دیا ہو کہ شریعت ایک لعنت ہے اور صرف چند اصول بتا دیئے ہوں۔ قرآن کریم اور اسلام نے صرف اصول ہی نہیں بتائے انہوں نے فروع بھی بتائے ہیں اور دنیا کے تمام مسائل قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہیں یا ایسی نصوص موجود ہیں جن سے اُن کے متعلق قواعد اخذ کئے جاسکتے لیکن نص کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ سُنّت اُس کی تصدیق کرے۔ پس ہم یہ نہیں کر سکتے کہ قرآن شریف کی بعض آیتوں کو لے لیں اور قطع نظر اس کے کہ قرآن اور حدیث میں اس کی تفصیل کس طرح بیان کی گئی ہیں آپ ہی آپ اُن سے مسائل اخذ کرنے لگ جائیں بلکہ ہمیں اُن کی تفصیلات کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ آج کا تعلیم یافتہ آدمی اِس بات سے ڈرتا ہے کہ وہ دنیا کو کیا کہے کہ اسلام نے غریبوں کے اُبھارنے کے لئے کیا کِیا ہے۔ اُس کو اسلام پر عدم تدبّر کی وجہ سے اور کوئی رستہ نظر نہیں آتا صرف وہی رستہ نظر آتا ہے جسے کمیونزم نے پیش کیا ہے۔ یعنی جن کے پاس ہے اُن سے چھین لو اور جن کے پاس نہیں ہے اُن کو دے دو۔ حالانکہ کمیونزم کی بنیاد مادیات پر ہے اور اسلام کی بنیاد روحانیات پر اور علمِ غیب پر ہے۔ کمیونزم نہیں جانتی کہ دنیا کے اندر کیا کیا قوتیں چھپی ہوئی ہیں لیکن اسلام کا خدا جانتا ہے کہ اُس نے انسانوں کے فائدہ کے لئے کیا کچھ اِس دنیا میں بھر رکھا ہے۔ ہم غلط طریقے اختیار کر کے یقیناً اسلام کو بدنام کرتے اور اپنے بھائیوں کو مصیبت میں ڈالنے کا موجب

ہو جاتے ہیں لیکن صحیح طریقے اختیار کر کے ہم اس الزام سے بری اور پاک ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم اس اصول سے شروع ہوتی ہے کہ دنیا میں تمام انسان برابر ہیں اس لئے جن کے پاس کچھ زیادہ ہے اُن سے چھین کر غریبوں کو دے دینا چاہیے بلکہ اگر موقع ہو تو جن کے پاس پہلے کچھ تھا اُن کے پاس اب کچھ بھی رہنے نہیں دینا چاہیے۔ اِس عقیدہ کی بنیاد اس بات سے شروع ہوتی ہے کہ کمیونسٹ دنیا کے ذرائع کو محدود قرار دیتا ہے۔ کمیونسٹ اصولِ سیاسیات میں درحقیقت وہی مقام رکھتا ہے جو حیوانیات میں ضبطِ تولید اور عِلْمُ الْاَغْذِیَہ کے فلسفوں کو حاصل ہے۔ اِن دونوں قسم کے فلسفیوں کے نزدیک بھی چونکہ انسان دنیا میں زیادہ ہو گئے ہیں اور مقدارِ پیداوار اس نسبت سے بڑھ نہیں سکتی اِس لئے انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو محدود کریں۔ کچھ تو شادیاں دیر کے بعد کریں۔ کچھ ایسے طریقے اختیار کریں کہ اولاد زیادہ پیدا نہ ہو۔ کمیونزم نے سیاسیات میں اِسی فلسفہ کو یہ شکل دے دی ہے کہ چونکہ دنیا کی مقدارِ آمد کم ہے اور انسان زیادہ ہیں جن کے پاس کچھ زیادہ نظر آتا ہے اُن سے چھین کر اُن لوگوں میں بانٹ دینا چاہئے جن کے پاس روپیہ کم ہے۔ لیکن اسلام نہ ضبطِ تولید کی تائید میں ہے اور نہ قلّتِ پیداوار کی تائید میں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت اِس کو لغو قرار دیا ہے اور قرآن کریم نے اشارۃ النّص سے اِس کو ردّ کیا ہے۔ بظاہر اس موقع پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ پھر دنیا کیا کرے گی؟ نسلیں بڑھتی چلی جائیں گی اور غذائیں کم ہوں گی پھر کیا ہوگا؟ اُس طرح جس طرح کمیونسٹ خیالات سے متاثر انسان کہتا ہے کہ غریب تو مر رہے ہیں تو پھر ہوگا کیا؟

اِن دونوں سوالوں کا جواب قرآن کریم میں بھی موجود ہے اور انسانی تجربہ میں بھی موجود ہے مگر میں اصولی اور تفصیلی بحث اِس جگہ پر نہیں کر سکتا کیونکہ مَیں کمیونزم کے متعلق کتاب نہیں لکھ رہا۔ صرف اِتنی بات اس جگہ پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اسلام اس بات کا مدّعی ہے کہ اگر انسان خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون پر چلے تو خدا تعالیٰ اُس کے لئے ترقی کے نئے راستے کھول دیتا ہے اور یہ کہ دنیا کی بہتری محض قانون کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی بلکہ انسان کے دماغ کی تربیت کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ تجربہ اس اصول کے اعلیٰ ہونے پر شاہد ہے۔ مغرب قانون کے ذریعہ حکومت کر رہا ہے لیکن باوجود اس کے کہ ظاہر میں اُس کی حالت اچھی نظر آتی ہے وہ

امن اور انصاف کے قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ قانون کے بنانے اور قانون کے چلانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ انسان قانون سے امن نہیں پاتا بلکہ انسان اُس صحیح رُوح سے امن پاتا ہے جو قانون کو چلاتی ہے۔ اچھے سے اچھا قانون ارادۂ اصلاح کے بغیر لعنت بن جاتا ہے اور بُرے سے بُرا قانون ارادہ اصلاح کے ساتھ کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ انجیل میں جو یہ آتا ہے کہ مسیحؑ نے کہا کہ شریعت ایک لعنت ہے تو درحقیقت اِس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خدا کی شریعت ایک لعنت ہے بلکہ اِس کے یہی معنی تھے کہ خدا تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر جو لوگ دنیا میں اپنے قانون جاری کریں گے وہ انسانوں کے لئے لعنت بن جائیں گے۔ مسیحؑ نے خدائی الہام سے اُس زمانہ کی مسیحی دنیا کا نقشہ معلوم کرلیا اور اُنہیں نظر آ گیا کہ قانونِ محض کے نام پر حکومت کی جائے گی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ پس اُنہوں نے کہا کہ قانون ایک لعنت ہے۔ مگر مسیحی آباء نے اُس کا ترجمہ یہ کر دیا کہ شریعت ایک لعنت ہے۔ حالانکہ مسیحؑ خود کہتا ہے کہ میں پہلی شریعتوں کو بدلنے نہیں آیا بلکہ اُن کو قائم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اور خود کہتا ہے کہ قیامت تک (یعنی بنی اسرائیل کی رُوحانی قیامت تک جو بعثتِ محمدؐیہ کے وقت تک مقدر تھی) شریعت کا ایک شوشہ بھی نہیں بدلے گا۔

بعض باتیں جو زمیندارہ کی اصلاح کے متعلق ہیں اُن کو میں اس کے بعد دوسرے باب میں درج کروں گا۔ اس جگہ پر میں صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ:۔

اوّل: جو اصلاحات تجویز کی گئی ہیں اُن سے کمیونزم کا خطرہ دُور نہیں ہوگا بلکہ بڑھ جائے گا اور امن قائم نہیں ہوگا بلکہ مٹ جائے گا۔ بعض غیر ملک جنہوں نے زمینداری میں اصلاح کی ہے اُن کی نقل ہمارا ملک نہیں کرسکتا اس لئے کہ اُن ملکوں میں زمین زیادہ ہے اور آدمی کم۔ بڑی زمینداریوں کو لوگوں میں تقسیم کرنے کے نتیجہ میں چھوٹے زمینداروں کو اتنی بڑی زمینیں مل گئی ہیں جن سے اُن کا گذارہ چل سکتا ہے لیکن ہمارے ملک میں حالات مختلف ہیں۔ مغربی پنجاب میں بڑے زمینداروں کے پاس صرف ۱/۴ فیصدی زمین ہے۔ اگر زمین تمام زمینداروں میں برابر تقسیم کر دی جائے تو کسی صورت میں بھی ایک ایکڑ فی زمیندار سے زیادہ نہیں دی جائے گی اور ظاہر ہے کہ ایک ایکڑ فی فرد پر ہرگز گذارہ نہیں چل سکتا۔ آجکل پیداوار کی جو قیمت ہے وہ

معمول سے چار گُنے زیادہ ہے اس لئے اُس پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سال میں مغربی پنجاب میں گندم کی قیمت بیس روپے من سے گر کر سات سَو روپے من پر آ گئی ہے۔ اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ اِس سے نصف تک قیمت جائے گی زیادہ نہیں گرے گی (حالانکہ پہلی جنگ عظیم کے بعد گندم کی قیمت ایک روپیہ چار آنے من پر آ گئی تھی) تو بھی موجودہ قیمت بہت گر جائے گی۔ اِسی طرح اگر کپاس کی قیمت موجودہ سے نصف پر جا کر ٹھہر جائے تو ایک مربع کا مالک (یعنی چار آدمی کا خاندان سمجھ کر فی فرد چھ ایکڑ نہری زمین کا مالک) اڑتالیس من کپاس اور ۸۰ من گندم کا مالک ہو سکے گا یا آئندہ قیمت کے رُو سے ساڑھے سات سَو روپیہ سالانہ کا مالک اس میں سے وہ اوسطاً ڈیڑھ سَو روپیہ گورنمنٹ کو خراج دے گا (سندھ میں اس سے دُگنا) اور سو روپیہ اُس کے آلاتِ زراعت وغیرہ کے لئے سمجھنے چاہئیں اور سَو روپے جانوروں کے اخراجات کے لئے چار سَو روپیہ باقی رہ گیا۔ گویا ایک مربع کا مالک صرف تینتیس ۳۳ روپیہ مہینہ کمائے گا لیکن چونکہ زائد فصلیں بھی ہوتی ہیں اس لئے ۳۳ کی بجائے یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک مربع کا مالک کوئی ساٹھ روپے ماہوار کمائے گا۔ لیکن مجوزہ تقسیم کے بعد جو زمین فی خاندان ملے گی اُس کا مالک صرف پندرہ روپیہ مہینہ کمائے گا۔ کیا کوئی شخص یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ اس سے ملک میں امن قائم ہو جائے گا؟ اس کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ زمینداروں کا کچھ حصہ جو پہلے شورش نہیں کرتا تھا اور اپنے اِرد گرد کے زمینداروں اور رشتہ داروں کو بھی شورش سے روکتا تھا وہ بھی شورش میں شامل ہو جائے گا۔ گورنمنٹ کی لیبر کمیٹیوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پچاس روپے کم سے کم ماہوار مزدوری ہونی چاہئے۔ کوئی شخص بھی مغربی پنجاب کی زمین کو برابر تقسیم کر کے مجھے بتا دے کہ کیا پچاس روپیہ ماہوار ہر زمیندار کو مل سکے گا؟ بلکہ میں کہتا ہوں اس آمد کو آدھی کر کے ہی کوئی شخص ثابت کر دے کہ پچیس روپیہ ماہوار ہر زمیندار کو مل سکے گا؟ پس اس تقسیم کی وجہ سے فساد بڑھے گا گھٹے گا نہیں کیونکہ کسانوں میں سے بھی اکثر زمینداروں کے رشتہ دار ہیں۔ وہی چھوٹا زمیندار جو آج زمین کی تقسیم کا حامی ہے کل تقسیم ہونے کے بعد وہ اُس زمین کے متعلق تو خوش ہوگا جو اُس کو دوسرے زمیندار سے چھین کر دی جائے گی لیکن دوسرے گاؤں کے اپنے رشتہ دار زمیندار کی تائید میں ایجی ٹیشن کرے گا جس کی زمین چھینی گئی ہوگی۔

دوم: زمیندار طبقہ کی کوئی نمائندگی حکومت میں باقی نہیں رہے گی کیونکہ زمینداروں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو باوقار زندگی شہر میں بسر کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر زمیندار زمینداروں کے ووٹ خرید یں گے اور ہمارے ملک کا الیکشن تمسخر بن کر رہ جائے گا اور زمیندار کی کوئی نمائندگی حکومت میں باقی نہیں رہے گی۔

سوم: یا یہ ہوگا کہ جو حکومت برسر اقتدار آئے گی زمیندار کا ووٹ اُس کے قبضہ میں ہوگا اور حکومت جبری کا طریق ہمارے ملک میں رائج ہو جائے گا۔ مزید خرابی یہ ہوگی کہ کیسی ہی جبری حکومت ہو وہ کبھی نہ کبھی بدلتی ہے۔ جب بھی کوئی نئی حکومت آئے گی اگر زمیندارہ بغاوت کے بغیر وہ آئی تو وہ زمینداروں کو مزید کچلے گی اس لئے کہ وہ پہلی حکومت کی تائید میں تھے حالانکہ اُن کی پہلی تائید جبری ہوگی طوعی نہیں۔

چہارم: میرے اپنے نزدیک تو اگلی نسل میں ہی زمیندار خود ہی فساد کے لئے کھڑا ہو جائے گا بلکہ شاید اِس سے بھی پہلے۔ میں اگلی نسل اس لئے کہتا ہوں کہ جب زمین تقسیم کر دی گئی تو آئندہ نسل میں زمین کم سے کم دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی اور آدھا آدھا ایکڑ فی کس رہ جائے گی اور زمیندار کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ وہ حکومت کے خلاف سازشوں کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار ہو جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ اب موجودہ حالات میں ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ حالات میں حکومت والوں نے اپنے اُوپر زمین دلانے کی ذمہ داری نہیں لی ہوئی۔ یہ ذمہ داری انہوں نے قانونِ قدرت پر چھوڑی ہوئی ہے جو کہ طبعی طریقہ ہے۔ جب ایک دفعہ قانونِ قدرت کی ذمہ داری انہوں نے اپنے اُوپر لے لی تو زمیندار ہمیشہ اُن سے مطالبہ کرے گا کہ تم اب اپنی ذمہ داری کو پورا کرو۔ سب سے زیادہ کمیونزم زمیندارہ اصلاح پر زور دیتی ہے اور سب سے زیادہ بغاوت روس میں زمیندار ہی کر رہے ہیں اور اِس کی یہی وجہ ہے کہ حکومت نے اپنے ذمہ ایک ایسی بات لے لی ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے کسی کے اختیار میں رکھی ہی نہیں اپنے اختیار میں رکھی ہے۔ اگر ایک ڈاکٹر ایک بیماری کے متعلق کہتا ہے کہ اِس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں اِس کا علاج خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور پھر وہ کسی ایسے مریض کا علاج کرتا ہے تو مریض سمجھتا ہے کہ ذمہ داری مجھ پر ہے ڈاکٹر پر نہیں۔ اگر مریض کسی قدر

افاقہ پالیتا ہے تو وہ ڈاکٹر کا شکر گزار ہوتا ہے اور اگر مر جاتا ہے تو اُس کے رشتہ دار کہتے ہیں کہ صاحب! ڈاکٹر نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کا علاج میرے بس کی بات نہیں۔ لیکن اگر ڈاکٹر یہ کہہ کر کام کرتا ہے کہ اس مریض کا علاج میں خوب جانتا ہوں اور ایسے مرض کو میں عمدگی سے دُور کر سکتا ہوں اور پھر اُس کے ہاتھ سے وہ مریض مر جاتا ہے تو سارے لوگ شور مچاتے ہیں کہ یہ بڑا دھوکے باز اور فریبی ہے۔ پس یہ تقسیم ایک ایسی ذمہ داری حکومت پر عائد کر دے گی جو آئندہ حکومت کو متواتر مصیبتوں میں مبتلا رکھے گی۔

پنجم: مگر دور جانے کی ضرورت نہیں میں تو کہتا ہوں کہ ابھی سے کمیونزم کے ایجنٹ جو ہمارے ملک میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ایک نئے رنگ میں ایجی ٹیشن شروع کر دیں گے۔ جب قلیل ترین مقدارِ زمین زمینداروں کے پاس تقسیم کر دی گئی اور یہ تسلیم کر لیا گیا کہ زمیندار کو گزارہ کے قابل رقبہ دینا حکومت کے ذمہ ہے خواہ ملک کے جائز حالات اِس کی اجازت دیتے ہوں یا نہ دیتے ہوں تو فوراً کمیونسٹ اس بات سے فائدہ اُٹھا کر زمینداروں میں یہ تحریک شروع کر دیں گے کہ دیکھو بھائی! تمہاری جائیداد اتنی تھوڑی ہے کہ اِس کی آمد تمہارے گزارہ کے لئے کافی نہیں اس لئے گورنمنٹ کو چھوٹے زمینداروں سے کوئی معاملہ وصول نہیں کرنا چاہئے۔ جب سب زمیندار ہی چھوٹے ہو جائیں گے اور اُنہیں سمجھانے اور روکنے والا کوئی حصہ اُن کی اپنی قوم کا اُن میں نہیں ہوگا تو لازماً یہ تحریک آگ کی طرح زمینداروں میں پھیل جائے گی اور اس ایجی ٹیشن کا جواب پھر حکومت کے پاس کوئی نہیں ہوگا۔ اگر حکومت اِس ایجی ٹیشن کے آگے دب جائے گی تب بھی وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے گی اور اگر نہیں دبے گی تب بھی وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے گی۔ کیونکہ ۸۰ فیصدی ملک کی آبادی کمیونزم کی گود میں جا پڑے گی۔

ہر ایک شخص اِس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ کمیونسٹ ایجنٹ زمیندار کو آرام نہیں پہنچانا چاہتا۔ وہ تو اِن باتوں کی جستجو میں رہتا ہے کہ جس سے ملک کے ایک طبقہ میں حکومت کے خلاف جوش پیدا کیا جا سکے۔ پس یہ کبھی نہیں ہوگا کہ اِس قسم کی اصلاح یا میرے نزدیک خرابی پیدا کرنے کے بعد کمیونسٹ خوش ہو جائیں گے اور گورنمنٹ کے ممنون ہوں گے اور آئندہ اپنی کوششیں چھوڑ دیں

گے بلکہ وہ ایک دوسرے کو کہیں گے کہ ہم نے ایک مورچہ فتح کر لیا اب دوسرے مورچہ کو فتح کرنا ہمارے لئے پہلے سے زیادہ آسان ہے۔ اب بڑا زمیندار درمیان میں سے ہٹ گیا اب چھوٹے زمیندار کو سمجھانے والا اُس کا کوئی آدمی نہیں رہا بلکہ وہ خود بھی حکومت کے خلاف مشتعل ہے آؤاب ہم اُس کو معاملہ اور آبیانہ کے خلاف اُکسائیں تا کہ حکومت کا معاملہ یا اُس کی طاقت دونوں میں سے ایک چیز برباد ہو جائے یا دونوں ہی برباد ہو جائیں۔ اُس وقت واپس لوٹنا حکومت کے لئے نہایت ہی مشکل ہوگا۔

اگر فرض کرو حکومت اُن کا معاملہ بھی معاف کر دے تو پھر بھی کمیونسٹ ایجنٹ یہ شور مچائے گا کہ اشیائے خوردنی کی قیمت بڑھائی جائے تا کہ زمیندار کی حالت اچھی ہو یا گورنمنٹ اپنے پاس سے اُن کے لئے وظائف مقرر کرے۔ غرض یہ قدم بوجہ اِس کے کہ غیر طبعی ہے اور بوجہ اس کے انسان یہ قدم اُٹھا کے وہ چیز اپنے ہاتھ میں لیتا ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے حکومت کو سخت مشکلات میں ڈال دے گا اور آئندہ بے چینی کا دروازہ کھل جائے گا۔ پس میرے نزدیک صحیح طریقہ یہی ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی رہنے دی جائے اور صرف وہی حصہ اپنے ہاتھ لیا جائے جو خدا تعالیٰ نے انسان کے ہاتھ میں رکھا ہے اور جو آج سے پچاس سال بعد بھی اُس کے ہاتھ میں ہوگا اور سو سال کے بعد بھی اُس کے ہاتھ میں ہوگا۔ آسمانی آفات کو انسان نہیں دور کر سکتے آسمانی آفات جب نازل ہوتی ہیں جن میں سے ایک آبادی کا بہت بڑھ جانا اور پیداوار کا نسبتی طور پر کم ہو جانا بھی ہے تو اُس وقت آسمانی تدبیروں کے ماتحت ہی انسان اپنے آپ کو حالات کے مطابق بناتا ہے۔ کبھی ہجرت، کبھی جنگ اور کبھی کوئی اور تدبیر آسمان سے تجویز کی جاتی ہے اور پھر دنیا اپنے آپ کو ایسا محسوس کرتی ہے جیسا کہ ہر چول اپنی اپنی جگہ پر ٹک گئی ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر کوئی نیا تغیر پیدا ہوتا ہے اور اس طرح دنیا شروع سے چلی آئی ہے اور آخر تک چلی جائے گی۔ انگلستان پر وہ وقت آیا ہوا ہے اور باوجود اس کی ساری تدبیروں کے جو کمیونزم سے مستعار لی جا رہی ہیں مگر ساتھ ساتھ کمیونزم کو گالیاں بھی دی جا رہی ہیں اُس کا قدم نیچے کی طرف جا رہا ہے اس لئے کہ اُن کاموں کو حکومت نے اپنے ذمہ لے لیا ہے جو اُس کے ذمہ نہیں ہیں اور جن کے متعلق پہلے

زمانوں کے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور انفرادی طور پر ہم کو اُن کا مقابلہ کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔ مثلاً بعض زمیندار جب دیکھتے تھے کہ گندم اور کپاس کی پیداوار سے گزارہ نہیں چلتا تو وہ سبزی ترکاری بونے میں لگ جاتے تھے یا باغ اُگانے میں لگ جاتے تھے یا زمینیں چھوڑ کر مزدوریاں کرنے لگ جاتے تھے۔ یہ تبدیلیاں اُن پر گراں نہیں گزرتی تھیں اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس قسم کے حالات کو بدلنا ہمارا اپنا فرض ہے اور یہ کہ یہ مصیبت قانونِ قدرت کے نتیجہ میں ہے حکومت کی ڈالی ہوئی نہیں اس لئے وہ اُس کے ازالہ کے لئے حکومت کی طرف نہیں جاتے تھے بلکہ اس کے ازالہ کیلئے خود کوشش کرتے تھے لیکن یہی تغیر اگر حکومت کرے تو تمام ملک میں بغاوت شروع ہو جائے جیسا کہ روس میں ہو رہا ہے۔ جب زمینداروں کے حالات خراب ہوتے ہیں اور آبادی زمین سے زیادہ ہو جاتی ہے تو زمینداروں کی ہی نسل کا ایک حصہ خود بخود یہ فیصلے کرنے لگ جاتا ہے کہ ہم اِس ملک کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلے جاتے ہیں یا ہم زمیندارہ چھوڑ کر مزدوری کرنے لگ جاتے ہیں یا ہم گندم کی بجائے مُولیاں گاجریں بونے لگ جاتے ہیں لیکن یہی کام اگر حکومت اپنے ذمہ لگا لے تو اُس کا قانون ایسے آدمیوں کو ہجرت پر مجبور کر دے گا جو ملک میں رہنا چاہتے ہیں اور ان کو رہنے پر مجبور کر دے گا جو جانا چاہتے ہیں۔ اور اُن آدمیوں کو مُولیاں گاجریں بونے پر مجبور کر دے گا جو گندم بونا چاہتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو گندم بونے پر مجبور کر دے گا جو مولیاں اور گاجریں بونا چاہتے ہیں۔ اور اُن آدمیوں کو مزدوری پر مجبور کر دے گا جو زمیندارہ کرنا چاہتے ہیں اور اُن لوگوں کو زمیندارہ پر مجبور کر دے گا جو مزدوری کرنا چاہتے ہیں۔ انسان کے دل کو یا خدا تعالیٰ پڑھ سکتا ہے یا خود وہ انسان پڑھ سکتا ہے کوئی حکومت یا کوئی دوسرا شخص اُس کو نہیں پڑھ سکتا۔ پس اِس قسم کی تبدیلیاں افراد خود کرتے ہیں۔ ہوشیار حکومت اِس میں اُن کی مددگار بنتی ہے مگر اس کی ذمہ واری نہیں اُٹھاتی۔ مددگار بننے کی صورت میں لوگ اس کے ممنون ہوتے ہیں۔ ذمہ داری اُٹھانے کی صورت میں لوگ اُس کے خلاف ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے جس کی ذمہ داری اُس پر نہیں وہ احسان کرتا ہے اور جو شخص ایسے کام میں غلطی کر بیٹھتا ہے جس کے ذمہ دار ہونے کا وہ مدعی ہوتا ہے لوگ اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ آپ دنیا کی ہر چیز کو بدل سکتے ہیں لیکن آپ

انسانی فطرت کو نہیں بدل سکتے۔ میں وہ چیز آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو انسانی فطرت کے صحیفہ میں درج ہے۔ اگر آپ بھی غور کریں گے تو اُنہی نتیجوں پر پہنچیں گے جن پر میں پہنچا ہوں۔

اِس باب میں کہنے والی اور بھی بہت سی باتیں ہیں مگر جیسا کہ میں نے کہا ہے یہ کتاب کمیونزم کے متعلق نہیں ہے اِس لئے بعض باتیں ضمنی رنگ میں ہی اس بارہ میں کہی جاسکتی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے کمیونزم کے متعلق کوئی اور کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی (ایک کتاب میں اِس سے پہلے لکھ چکا ہوں) تو اُس میں میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی ان امور پر بحث کروں گا۔ اب میں اختصار کے ساتھ کچھ ایسی تجاویز پیش کرتا ہوں جن سے زمیندار کی موجودہ حالت کے بدلنے میں امداد مل سکتی ہے۔

بارھواں باب

کیا زمیندار کی موجودہ حالت تسلی بخش ہے؟ اگر نہیں تو اُس کی اصلاح کے صحیح طریقے کیا ہیں؟

میری رائے یہ ہے کہ ہمارے ملک کا عام زمیندار جو زمین کاشت کرتا ہے خواہ اپنی ملک کی ہو یا کسی اور کی لے کر کاشت کر رہا ہو ان دونوں کی حالت نہایت کمزور اور خراب ہے اور یقیناً اُن کی مشکلات کو دور کرنا حکومت اور اُن کے اُن بھائیوں کا فرض ہے جو ہاتھ سے زراعت نہیں کرتے۔ میرے نزدیک زمیندار کی یہ خراب حالت (مَیں زمیندار کا لفظ اِس باب میں جب لکھوں گا اس کے معنی زمین سے روزی کمانے والے شخص کے ہوں گے کسان یا غیر کسان کا امتیاز نہیں ہوگا) کئی اسباب سے ہے۔ جن میں سے موٹے موٹے اسباب یہ ہیں:۔

(۱) زمیندارہ طریق میں نقص یعنی زمیندار اُن تمام طریقوں کو استعمال نہیں کرتے جن کے ذریعہ مغربی ممالک کے زمیندار آمدن پیدا کر رہے ہیں۔

(۲) سڑکوں اور ذرائع آمد و رفت کی کمی۔

(۳) صنعت و حرفت کا کم ہونا اور بے موقع ہونا۔

(۴) زمینداروں کی مزدوری کے کاموں سے نفرت۔

(۵) زمینوں کے مالکوں کا زمین کاشت کرنے والوں سے جابرانہ سلوک۔

(۶) زمینوں کی حکومت کی طرف سے وقت پر نگہداشت نہ ہونا۔

(۷) کاشت کے متعلق گورنمنٹ کی طرف سے زمینداروں کو صحیح راہنمائی نہ ملنا۔

(۸) ملک کی اُفتادہ زمینوں کو قابل کاشت نہ بنانا۔

(۹) افسروں کی ناواجب لُوٹ کھسوٹ۔

(۱۰) زمیندار کا طبعاً فخر و مباہات کا شکار ہونا۔

(۱۱) مقدمہ بازی

(۱۲) روپیہ کا بوقت ضرورت مہیّا نہ ہوسکنا۔

(۱) زمیندارہ طریق میں نقص

اب میں باری باری ایک عنوان کو لے کر مختصراً اُس کو بیان کرتا ہوں۔

میں سالہا سال سے مغربی ممالک کے زمیندارہ کے متعلق تحقیقات کر رہا ہوں اور وہاں کی پیداوار کے متعلق بھی میں نے کتابیں دیکھی اور پڑھی ہیں اور بحث ومباحثہ اور مطالعہ کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمارے ملک کے زمیندارانہ تمدّن اور مغربی ممالک کے تمدّن میں جتنا فرق ہے اُس کا سبب یہ نہیں کہ غیر ملکوں کی پیداوار ہمارے ملک سے بہت زیادہ ہوتی ہے بلکہ یہ ہے کہ غیر ملکی زمیندار اپنی مملوکہ جائیداد کے ہر حصہ کو ہر طریق سے آمدن پیدا کرنے میں لگاتا ہے جبکہ ہمارا زمیندار ایسا نہیں کرتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ امریکہ کا زمیندار مزدور سو ڈالر سے ڈیڑھ سو ڈالر تک ماہوار کماتا ہے۔ وہاں کی فی ایکڑ پیداوار زیادہ سے زیادہ یہاں سے دگنی فرض کر لینی چاہئے۔ پس سوال یہ ہے کہ باوجود اس کے اتنی رقم مزدور کو کس طرح دی جاتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یا تو مزدور زیادہ کام کرتا ہے یا پھر کھیتی باڑی کو ایسے طریق پر چلایا جاتا ہے کہ علاوہ فصل کی آمدن کے اور آمدنیں بھی اُس سے حاصل ہوتی ہیں۔ اب تک ہمارے ملک کی طرف سے زمیندارہ اصلاحات کے لئے جتنے مشن بھی غیر ممالک کو جاتے ہیں وہ بڑی بڑی انسٹیٹیوٹ اور بڑے بڑے فارموں کو دیکھ کر واپس آجاتے ہیں حالانکہ اصل چیز دیکھنے والی یہ ہے کہ جن ملکوں میں زمینیں تھوڑی ہیں

الف اُن میں عام طور پر فی کس کتنے ایکڑ زمین زمیندار کے پاس ہے۔

ب اُس ملک کی زمین میں کن کن چیزوں کی کاشت کی جاتی ہے۔

ج فی ایکڑ کاشت شدہ اجناس کتنی کتنی پیدا ہوتی ہیں۔

د منڈی میں اُن اجناس کی کیا قیمتیں ہیں۔

ہ کیا اجناس کی قیمتوں کی میزان اتنی رقم کو پہنچتی ہے جس رقم میں مغربی ممالک کا زمیندار گھرانہ گزارہ کرتا ہے اور کیا وہ میزان ہمارے ملک کی میزان کے مطابق ہے؟ اگر نہیں تو

باہم کتنا تفاوت ہے۔

و اگر زمین کی اجناس کی پیداوار اُس رقم سے کم رہتی ہے کہ جس میں زمیندار گزارہ کرتا ہے یا کرسکتا ہے تو باقی رقم اُس کے پاس کہاں سے آتی ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے ایسے بہت سے ممالک پائے جاتے ہیں جن کی اقتصادی حالت ہم سے اچھی ہے لیکن جن کی زمینداری فی خاندان اُس سے زیادہ نہیں ہے جتنی کہ ہمارے ملک کی ہے۔ ابھی ہمارے ایک دوست اٹلی سے آئے ہیں اُن کی شادی ایک انگریز کے ہاں ہوئی ہوئی ہے۔ جنگ کے بعد اُن کے ذرائعِ آمد بند ہوگئے تھے۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ اُن کا گزارہ کس طرح چلتا تھا؟ اُنہوں نے کہا کہ ہر قسم کی اشیاءِ خوردنی میرا خسر بھجوا دیتا تھا۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ اُن کے خسر کی کیا جائیداد ہے؟ اِس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ اُن کے خسر کے والد نے کسی وجہ سے اپنے بیٹے کو ورثہ سے محروم کردیا تھا اور جائیداد اپنی بیٹی کو دے دی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد بھائی کی حالت خراب دیکھ کر بہن نے بھائی کو اٹلی کی جائیداد سپرد کردی جو تیرہ چودہ ایکڑ کے برابر ہے اور اس پر تین ہاری یا کسان کام کر رہے ہیں۔ وہ تینوں ہاری اچھی حالت میں ہیں اور اُن کا خسر بھی اس جائیداد سے گزارہ کرتا ہے اور اُن کی بھی امداد کرتا ہے اور کچھ آمدن اپنی بہن کو بھی بھیجتا ہے۔ میرے لئے یہ نہایت ہی حیرت انگیز بات تھی۔ میں نے اُن پر جرح کی کہ اتنی تھوڑی سی زمین سے اس قدر آمدن پیدا کس طرح ہوسکتی ہے۔ یہ تو نہیں کہ یورپ کی زمینیں بیس بیس گنے غلّہ پیدا کرتی ہوں۔ چونکہ وہ واقف نہیں تھے پہلے وہ میرے سوالوں کا جواب نہیں دے سکے لیکن آخر کرید کرید کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہاں کا فارم باغ بھی ہے، کھیت بھی ہے، سؤر پالنے کی جگہ بھی ہے، شہد کی مکھیاں پالنے کی جگہ بھی ہے، مرغیاں پالنے کی جگہ بھی ہے، گائے پالنے کی جگہ بھی ہے اور غلّہ کے علاوہ سبزی ترکاری بھی اُس میں سے پیدا کی جاتی ہے اور زمین کے ایک ایک چپے کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ زمین سونا اُگلنے لگ جاتی ہے۔ اِسی قسم کی گواہیاں مجھے دوسرے لوگوں سے بھی ملی ہیں اور بعض کتابیں بھی میں نے اِس بارہ میں پڑھی ہیں جن سے اِس کے مطابق حالات معلوم ہوتے ہیں۔ حال ہی میں ہمارے ایک نومسلم دوست نے انگلینڈ میں زمین مقاطعہ پر لی ہے اور ایک ملازمت جو

ہمارے پاکستان کے نقطۂ نگاہ سے نہایت اچھی ملازمت کہلائے گی اُسے چھوڑ کر اُنہوں نے زمیندارہ شروع کیا ہے۔ مجھے اُن کے خطوں سے معلوم ہوا ہے کہ اُس تھوڑی سی زمین سے انہوں نے وہ رقم جو قرض اُٹھا کر مقاطعہ پر خرچ کی تھی اُس کا بھی کچھ حصہ اُنہوں نے ادا کر دیا ہے اور اُن کی مالی حالت ملازمت سے زیادہ اچھی ہے۔ اِن سب باتوں پر غور کرنے کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ زمیندارہ طریق میں اصلاح کا جو قدم اِس وقت تک حکومت اُٹھاتی رہی ہے وہ صحیح نہیں تھا۔ ہمیں اپنی راہنمائی کے لئے امریکہ نہیں جانا چاہیے جہاں وسیع اور کھلی زمینیں پڑی ہوئی ہیں، نہ رُوس جانا چاہیے جہاں ابھی آبادی کے بڑھنے کے لئے وسیع مواقع موجود ہیں ہمیں اپنے زمینداری طریق کی اصلاح کے لئے اٹلی، جنوبی انگلستان اور جنوبی اور وسطی جرمنی میں جانا چاہیے۔ ممکن ہے فرانس اور سپین سے بھی اور شام اور لبنان سے بھی اِس بارہ میں ہم کو کچھ مدد مل سکے۔ جو وفد اِن ملکوں کے دورہ کے لئے جائیں اُن کو عملی طور پر ایسے کھیتوں میں کام کرنے کی ہدایت ہو جن کی کل زمین دس پندرہ ایکڑ سے زیادہ نہ ہو۔ وہ عملی طور پر معلوم کریں کہ اُن کے مالکوں کی کیا حالت ہے اگر ہمارے ملک سے اچھی حالت ہے تو وہ کس ذریعہ سے بنائی جاتی ہے اور کہاں سے اس کے لئے آمد پیدا کی جاتی ہے۔

جہاں تک میں دیکھتا ہوں ہمارا زمیندار پوری محنت سے کام نہیں لیتا۔ اُس کا بہت سا وقت حُقّہ میں یا اِسی قسم کی اور لغویات میں صرف ہوتا ہے۔ اُس کی گھریلو محبت اتنی مر چکی ہے کہ اگر اُسے اپنے کھانے کے لئے روٹی مل جائے تو وہ اِس کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اُس کی بیوی کا پیٹ بھرا ہے یا نہیں یا اس کے بچوں کا پیٹ بھرا ہے یا نہیں۔ اگر اُس کی بیوی آدھ روٹی بھی اُس کے سامنے کھاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہر وقت چرنے سے ہی کام ہے اور کوئی ہوش نہیں۔ اگر وہ کھیت کے کناروں سے چولائی کا ساگ لا کر پکاتی ہے تو وہ یہ نہیں کرتا کہ بیوی بچوں کا حصہ نکالے بلکہ روٹی پر سارا ساگ ڈال کر کھالے گا اور سمجھے گا کہ اب سب ذمہ داریاں ادا ہو گئی ہیں۔ اِس حالت نے اُسے صحیح جذبات سے محروم کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اُس کے اندر زندگی کے نئے جذبات پیدا کئے جائیں۔ یہ امید دلا کر کہ خدا تعالیٰ نے اس زمین میں بڑی طاقتیں رکھی ہیں اور کام میں بڑی برکتیں ہیں نہ یہ کہ لوٹ کھسوٹ کی عادت ڈال کر اور لوگوں کا

مال چھین کر اُس کے اخلاق کو اور بھی بگاڑا جائے۔ اُسے ترکاری بونے، شہد کی مکھیاں پالنے، جانور رکھنے اور اُن کے دُودھ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ یورپ کا زمیندار دودھ بلوتا ہے نہ کہ دہی اور یا تو اُس کی بالائی فروخت کر دیتا ہے یا اُس کی بالائی سے مکھن بناتا ہے۔ لیکن ہمارا زمیندار دودھ کو کاڑھتا ہے، پھر اُس سے دہی جماتا ہے، پھر اُس کو بلوتا ہے اور بہت سا وقت اپنی بیوی کا اُس میں خرچ کروا دیتا ہے۔ اِسی طرح وہ کھاد جو خدا تعالیٰ نے اُس کے لئے پیداوار کا ذریعہ بنائی ہے اُسے ایندھن کے طور پر خرچ کر لیتا ہے۔ گورنمنٹ کے آفیسر اُس کے سامنے لیکچر دیتے ہیں کہ اِس کھاد کو استعمال نہ کرو یہ قیمتی چیز ہے لیکن وہ کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ کوئی ایسی باقاعدہ جدوجہد کی جائے کہ جس سے زمیندار کو اپنے گھر کی ضرورتوں کے لئے لکڑی آسانی سے مہیا ہو جائے۔

میرے خیال میں وہ جائز ضرورتیں جن کے ماتحت حکومت جبر کر سکتی ہے خواہ عدالت کے ذریعہ سے ہی کیوں نہ ہو اُن میں سے ایک یہ ہے کہ دو تین گاؤں جن کی سرحدات ملتی ہوں اُن میں ایک رقبہ چن کر ایک سوختنی اور تعمیری لکڑی کے درختوں کا ذخیرہ بنایا جائے۔ یا اگر اس میں دِقّت ہو تو ایک ایک گاؤں میں ایسا ذخیرہ بنا دیا جائے تا ایسے قواعد کے ماتحت جو تجویز کئے جا سکتے ہیں مفت یا معمولی سی قیمت پر لکڑی جلانے اور گھروں اور مکانوں وغیرہ کے استعمال کے لئے مل سکے۔ اگر یہ انتظام کیا جائے تو پھر زمیندار کو کھاد سنبھال کر رکھنے کی تلقین جائز بھی ہو سکتی ہے اور شاید وہ کوئی مفید نتیجہ بھی پیدا کرے۔ (میں نے حال ہی میں پاکستان حکومت کا ایک اعلان پڑھا ہے کہ ہر زمیندار ہر ایک ایکڑ میں چار درخت لگائے اور اِس مقدار کو قائم رکھے اور حکومت کی اجازت کے بغیر نہ کاٹے۔ یہ ایک اچھا اقدام ہے لیکن یقیناً اس سے وہ نتائج پیدا نہ ہوں گے جو میری تجویز سے پیدا ہوں گے) یہ تو میں نے ایک مثال دی ہے ورنہ ایسے کئی ذرائع ہیں جن سے کام لے کر زمیندار کے اندر بیداری پیدا کی جا سکتی ہے اور اُسے محسوس کرایا جا سکتا ہے کہ یہ کام اُس کے فائدہ کا ہے اور یہ کہ اس ذریعہ کو اختیار کئے بغیر وہ کبھی بھی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کام ایسا نہیں کہ جو بڑے بڑے محکمے بنا کر کیا جائے۔ میری رائے میں ہمارے بہت سے کام اس لئے رہ جاتے ہیں کہ ہم اُن کے لئے بڑے بڑے محکمے بنا دیتے ہیں۔

زمیندار اور ان محکموں کے افسروں میں اُتنا ہی بعد ہوتا ہے جتنا زمین کے رہنے والوں اور سورج کے درمیان بُعد ہے۔ میں نے سر میکلیگن کے زمانہ میں اُن کو اِس نقص کی طرف توجہ دلائی تھی اور میرے کہنے پر انہوں نے سب انسپکٹر زراعت اور زراعتی مقدموں کا طریقہ جاری کیا تھا لیکن وہ طریقہ بھی کامیاب نہیں ہو رہا کیونکہ اب تک اس محکمہ اور زمیندار میں برابری کا تعلق قائم نہیں ہوا۔ ابھی تک ہمارا زمیندار اتنا گرا ہوا ہے کہ ایک مقدم بھی اُس کیلئے ایک سرکاری افسر ہے اور بجائے اُس سے کچھ سیکھنے کے وہ اُس کی آمد پر اُس کی روٹی پانی کے فکر میں ہی اپنا وقت گزار دیتا ہے۔

(۲) سڑکوں اور ذرائع آمد و رفت کی کمی

دوسری چیز جس کی وجہ سے ہمارا زمیندار ترقی نہیں کر رہا اور نہیں کرسکتا وہ یہ ہے کہ دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں ہمارے ملک میں سڑکوں اور دوسرے ذرائع آمد و رفت کی بہت کمی ہے۔ پنجاب میں تو صرف چھوٹے دیہات میں یہ دِقّت ہے مگر سندھ میں تو یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے قصبات اور سینکڑوں میل کے علاقے بغیر سڑکوں کے ہیں۔ سندھ کے ایک نہایت ہی اہم ضلع میں جماعت احمدیہ کی طرف سے خیراتی کاموں کے لئے بہت سی زمین خریدی گئی۔ وہاں کچھ زمین میں نے بھی خریدی ہوئی ہے۔ ہمیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پر جانے کے لئے کوئی سڑک میسر نہیں صرف نہر والوں کی مہربانی سے ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکتے ہیں ورنہ شاید ہوائی جہاز کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لیکن جب ہمارے زمیندار ہوائی جہاز رکھ سکیں گے تو شاید میرا یہ باب اُس وقت ایک بے کار چیز سمجھا جائے گا۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ سبزی ترکاری اور پھل لوگ نہیں بو سکتے کیونکہ یہ چیزیں سڑ جاتی ہیں اور کسی ایسی جگہ پر نہیں پہنچ سکتیں جہاں اس کے خریدار موجود ہوں۔ اور دوسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ شہر کے لوگوں کے پاس بھی سبزی ترکاری کم پہنچتی ہے اُن کو سبزی ترکاری کے استعمال کی عادت نہیں رہتی۔ اس لئے اگر کسی وقت سبزی وہاں پہنچ بھی جائے تو وہ اُس کے خریدنے سے بے رغبتی اختیار کرتے ہیں۔ تیسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ زمیندار چونکہ سبزی ترکاری محض اس لئے بوسکتا ہے کہ اُس کے بدلہ میں اُسے روپیہ ملے۔ جب اُس کی سبزی ترکاری نہ منڈی تک پہنچ سکتی ہے نہ فروخت ہوسکتی ہے تو وہ

سبزی ترکاری بوتا ہی نہیں اور اُس فائدہ سے محروم ہو جاتا ہے جو سبزی ترکاری کو بونے کی صورت میں اور اس کا کچھ حصہ خود اپنے گھر میں استعمال کر کے وہ اٹھا سکتا تھا اور جس کی وجہ سے اُس کے تمام افراد میں ایک بیداری اور ہوشیاری پیدا ہو سکتی تھی۔

(۳) صنعت وحرفت کا کم ہونا اور بے موقع ہونا

تیسری وجہ زمینداروں کی حالت کی خرابی کی یہ ہے کہ ہمارے ملک میں صنعت و حرفت کی بہت کمی ہے۔ یورپ کے لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ تمہارا ملک زراعتی ہے تمہیں زراعت کی طرف توجہ کرنی چاہیے لیکن وہ اِس بات کا جواب نہیں دیتے کہ ہم زمین لائیں کہاں سے؟ ہمارا ملک بے شک زراعتی ہے لیکن جتنے آدمیوں سے ہمارے ملک کی زراعت کے کام کو چلایا جا سکتا ہے اُس سے زیادہ آدمی ہمارے ملک میں پایا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک روپیہ کے پیدا کرنے پر بجائے ایک آدمی کے ہمارے دو یا تین آدمی لگے ہوئے ہیں۔ اُن دو یا تین آدمیوں کو آسانی کے ساتھ دوسرے کاموں کے لئے فارغ کیا جا سکتا ہے۔ مگر اُن کے لئے اور کام کوئی نہیں اِس لئے وہ بجائے بے کار بیٹھنے کے اپنے بھائی کے ساتھ اُس کا ایک ہی لقمہ بانٹنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

درحقیقت زمین کا بڑھانا یا آدمیوں کا کم کرنا دونوں میں سے ایک قانونِ قدرت کے خلاف ہے اور دوسرا قانونِ شریعت کے خلاف ہے۔ پس اِس کا علاج جو آج بھی کام دے سکتا ہے اور آج سے ہزار سال بعد بھی کام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ صنعت وحرفت کو ترقی دی جائے اور صنعت وحرفت کو ایسے طور پر ملک میں پھیلایا جائے کہ زائد زمیندار آبادی آسانی سے اُس طرف متوجہ ہو سکے۔ صرف بڑے بڑے شہروں میں صنعت وحرفت کا محدود کر دینا یا تو اُن ملکوں میں ممکن ہوتا ہے جو بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور جن کی ساری آبادی سمٹ کر شہروں میں آجاتی ہے۔ جیسے انگلینڈ، ہالینڈ اور بلجیئم۔ اور یا پھر ایسے ملکوں میں ممکن ہوتا ہے جہاں صنعت وحرفت اور زمینداری کو متوازی ترقی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ دونوں آزادانہ ترقی کر سکتی ہیں۔ جیسے یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ، کینیڈا یا ارجنٹائنا۔ یا ایسے ملکوں میں ممکن ہوتا ہے جو ملک یہ فیصلہ کر چکے ہوتے ہیں کہ زمینداری کی طرف توجہ کرنا ہمارے لئے بالکل عبث ہے ہم اس میں کامیاب

ہو ہی نہیں سکتے۔ ہمارا ملک ان تینوں ملکوں میں سے نہیں اِس لئے ہمارے ملک کی صنعت وحرفت تبھی پورے طور پر فائدہ پہنچا سکتی ہے جبکہ اُسے ملک میں ایسے طور پر پھیلا یا جائے کہ زمیندار آبادی اپنے کاموں کو چھوڑے بغیر صنعت وحرفت میں مزدوری کر سکے اور اُس کی دلچسپیاں اپنی زراعت کے ساتھ بھی باقی رہیں۔غور کرنے سے کئی قسم کی صنعتیں ایسی نکل آئیں گی جن کو ملک میں پھیلایا جاسکے اور اِس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ حکومت کو مجبوراً ذرائع حمل ونقل کو وسیع کرنا پڑے گا۔

(۴) زمینداروں کی مزدوری کے کاموں سے نفرت

ایک وجہ زمینداروں کی غربت کی اُن کی مزدوری کے کاموں سے نفرت ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ زمیندار خواہ کتنا غریب ہے ہمارے ملک میں اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوگیا ہے کہ وہ سب سے معزز وجود ہے اور مزدور کا نام کمین رکھ دیا گیا ہے۔اب یہ سردار کمین بننے کی طرف کبھی رغبت نہیں کرسکتا۔ یہ قومی برتری اور قومی کمتری کے غیر متناہی سلسلے جو ہمارے ملک میں پیدا ہیں جب تک اِن کو بڑے زبردست پراپیگنڈہ کے ساتھ ختم نہ کیا جائے گا اُس وقت تک زمیندار کا احساسِ برتری تو پرورش پاتا جائے گا لیکن وہ اور اُس کا خاندان پرورش نہیں پا سکے گا۔

(۵) زمینوں کے مالکوں کا زمین کاشت کرنے والوں سے جابرانہ سلوک

ایک موجب دوسرے کی زمین ٹھیکہ پر لے کر کاشت کرنے والے زمیندار کی کمزوری کا یقیناً یہ بھی ہے کہ بعض بڑے زمیندار اُن پر سختی کرتے ہیں۔ پہلے تو یہ بات بہت زیادہ تھی اب بہت کم ہے لیکن اب بھی ایک حد تک بیگار رائج ہے۔اسلامی اصول کے مطابق یہ چیز بالکل ناجائز ہے بلکہ اگر مقاطعہ کی شرطوں میں بھی بیگار داخل ہو تب بھی وہ ناجائز ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر معیّن مبادلہ کو ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ میں اوپر حدیثوں سے ثابت کر چکا ہوں اور بیگار ایک غیر معیّن مبادلہ ہے اور علاوہ ظلم کے جوئے کا رنگ رکھتا ہے۔ پس حکومت اگر بیگار کو سختی کے ساتھ روکے یا اُس کو قانون کے ساتھ بند کرے اور اس کے لئے سزائیں مقرر کرے تو یہ بالکل جائز ہوگا۔ اِسی طرح زمیندار اور اُن کے گماشتے اِس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ کھڑے

کھیت میں سے بعض چیزیں لے لیں اور اس کو وہ اپنے اقتدار کی ایک علامت خیال کرتے ہیں یہ بات بھی ناجائز ہے۔ جب کسی شخص نے کوئی زمین مقاطعہ پر لی تو جب تک وہ اُس کے پاس ہے اُس وقت تک شریعت اور انصاف کی رُو سے وہ اُس زمین کا ویسا ہی مالک ہے جیسا کہ خود مالکِ زمین۔ اور جب تک کہ فصل شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم نہ ہو زمین کے مالک کو ہرگز کسی قسم کے تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

اِسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹے زمینداروں کو جو زمین مقاطعہ پر دی جاتی ہے اُس کے لئے میعاد مقرر نہیں ہوتی۔ بسا اوقات زمین کا مالک ناراض ہو کر اگلے ہی سال مزارع کو جواب دے دیتا ہے۔ چونکہ اِس کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں اس لئے مزارع زمیندار اُس زمین کی مستقل پرورش میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک اگر حکومت مزارع زمینداروں اور مالک زمینداروں کے مشورہ کے ساتھ یہ قانون پاس کر دے کہ ہر زمین کا مقاطعہ تین سے چھ سال تک کے لئے ہوگا اس مقررہ عرصہ سے پہلے کسی مزارع زمیندار کو زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکے گا تو یقیناً زمینوں کی حالت پہلے سے اچھی ہو جائے گی اور مالک زمیندار کا ظلم بھی کم ہو جائے گا۔

جیسا کہ میں اوپر اسلامی لٹریچر کے حوالوں میں درج کر آیا ہوں مالک کو اُس کے ملکیتی حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا اس لئے دائمی طور پر کسی کسان کو دوسرے کی ملکیتی زمین کا موروثی مزارع نہیں بنایا جا سکتا لیکن فتنہ کو روکنے کے لئے اور مزارع کی محنت کو برباد ہونے سے بچانے کے لئے یقیناً حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اوّل تو باہمی سمجھوتہ سے کوئی ایسا تصفیہ کر دے یا ایک آزاد کمیٹی مقرر کر کے جس میں دونوں قوموں کے بھی نمائندے ہوں اور حکومت کے بھی نمائندے ہوں وہ ایک ایسا قانون بنا دے جس کی وجہ سے مزارع کو اُس کی محنت کے پھل سے محروم نہ کیا جا سکے۔ اور جیسا کہ میں نے لکھا ہے میرے نزدیک تین سے چھ سال تک کی مدت ایسی ہے جس سے کم عرصہ کی صورت میں مزارع اپنے پھل سے محروم ہو جاتا ہے۔ مثلاً نوتوڑ (نو آباد) زمین کی صورت میں جتنی محنت مزارع کو کرنی پڑتی ہے اُس کی قیمت کبھی بھی اُسے ایک دو سال میں نہیں مل سکتی۔ دوسرے کھیتی میں کھاد ڈالنا ایک بڑی محنت چاہتا ہے۔ اِس

میں کوئی شبہ نہیں کہ مالک زمین کھاد کے خرچ میں شامل ہوتا ہے۔ کم سے کم مَیں تو اپنے مزارع زمیندار کے ساتھ اس میں شریک ہوتا ہوں اور جماعت کی جو خیراتی اغراض کے لئے جائیداد ہے اُس میں بھی جماعت کو اُس کے ساتھ شریک کرتا ہوں لیکن باوجود پوری نگرانی کے میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے مقرر کردہ نائب مزارع زمینداروں کے ساتھ کامل دیانتداری کا برتاؤ نہیں کرتے۔ کئی دفعہ مجھے احساس ہوا ہے کہ کسی ذاتی جھگڑے کی بناء پر وہ مزارع زمیندار کو اُلجھاؤ میں ڈال دیتے ہیں اور اِس طرح اُس سے وہ زمین چھیننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس میں کم سے کم نصف کھاد اُس نے ڈالی تھی۔ یا جس کو نوتوڑ کرنے میں اُس نے اپنے جسم کا خون استعمال کیا تھا۔ میری رائے میں زمیندار اپنے طور پر باوجود دیانتدار ہونے کے اس اصلاح میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کم سے کم میں باوجود مذہبی دباؤ حاصل ہونے کے کامیاب نہیں ہوسکا اور کئی دفعہ میری ضمیر اس بارہ میں مجھے ملامت کر چکی ہے اِس لئے گو میرے نزدیک ہمیشہ کے لئے بغیر تصفیہ اور بغیر معاوضہ کے مزارع زمیندار کو موروثی نہیں بنایا جاسکتا لیکن شریعت اسلام کی رُو سے اتنے سال کا عرصہ ضرور مقرر کیا جاسکتا ہے جس میں وہ اپنی محنت کا پورا پھل حاصل کر سکے۔ اور چونکہ حیوانی کھاد چھ سال تک زمین کو فائدہ پہنچاتی ہے اور نباتاتی کھاد دو سال تک فائدہ پہنچاتی ہے میری رائے میں اگر یہ قانون پاس کیا جائے کہ کوئی زمیندار اپنے مزارع کو تین سال یا یوں کہو کہ چھ سال تک اُس زمین سے بے دخل نہیں کر سکتا جو کہ اُسے دی گئی ہو تو اِس سے بہت کچھ انصاف قائم ہو جائے گا لیکن ایک نقص پھر بھی رہ جائے گا اور وہ یہ کہ عام طور پر مالک زمنیدار یا اُن کے مختار مزارع زمیندار کو فصل وار زمین بانٹتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ اس سے مزارع زمیندار کو بہت نقصان پہنچتا ہے اور وہ کھاد ڈالنے سے گھبراتا ہے۔ اِس رسم کی تائید میں ہمارے آفیسرز بہت سی وجوہات پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض وزنی بھی ہیں اور معقول بھی ہیں لیکن میرے نزدیک یہ قطعی بات ہے کہ اِس سے ظلم کا رستہ کھلتا ہے۔ پس میرے نزدیک یہ شرط ہونی چاہیے کہ جب کسی کو زمین مزراعۃ پر دی جائے تو لازماً مالک زمیندار اور مزارع زمیندار کے درمیان ایک گورنمنٹ کے پاس شدہ فارم پر معاہدہ ہوا کرے جس میں وہ ساری زمین اپنے نمبروں سمیت درج ہو جو کاشت کرنے کے لئے مزارع زمیندار کو دی گئی

ہے تا کہ اختتامِ معاہدہ تک وہ نمبر اُس سے نہ لئے جائیں اور وہ اِس یقین سے کاشت کرے کہ کھاد اور زمین بنانے کا فائدہ وہ وقت مقررہ تک ضرور اُٹھائے گا سوائے اِس کے وہ خود اپنی مرضی سے اس زمین کو چھوڑنا چاہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو مزارع زمیندار کی مشکلات اَور بھی دور ہو جائیں گی۔ ان مشکلات کا تجربہ مجھ کو نہری زمینوں میں ہوا ہے ورنہ ہماری پرانی زمینیں جو قادیان اور اُس کے گرد و نواح میں تھیں وہاں مزارع اور ہمارے مختاروں کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہوتا تھا اِس لئے کہ مستقل زمین ہونے کی وجہ سے زمین کے بدلنے یا پانی وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور ہمارے بعض مزارع ایسے تھے کہ باوجود موروثی نہ ہونے کے وہ پچاس یا ساٹھ سال سے اُسی زمین پر قابض چلے آتے تھے جو ہمارے آباء سے اُنہوں نے لی تھی اور چونکہ ہم اپنے مختاروں کو ظلم نہیں کرنے دیتے تھے ہمارے مزارع اتنے دلیر ہوتے تھے کہ وہ بسا اوقات ہمارے سامنے غیر منصفانہ طور پر ہی نہیں بلکہ وحشیانہ طور پر بھی کلام کر لیا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ زمینداروں کے کسی جھگڑے کے سلسلہ میں ایک تحصیلدار میرے پاس بعض ہمارے مزارعوں کو لے کر آیا۔ میں نے تھوڑی سی بات کی تھی کہ ایک مزارع بولا کہ ان کو ہم سے کیا زائد حق ہے۔ میں تو ہنس پڑا لیکن تحصیلدار نے اُس کو ملامت کی کہ اِنہوں نے کس اخلاق سے بات کی ہے اَور تم نے کیسی بد تہذیبی اختیار کی ہے۔ مَیں نہیں جانتا کہ اور لوگوں کے ساتھ پکّی زمینوں میں کیا حالات گزرتے ہیں مگر ہمارا مزارع قادیان اور نواحی کا پوری طرح مطمئن تھا۔ ہاں نہری زمینوں کے تجربہ کے بعد مجھے افسوس ہے کہ مزارع زمیندار کی حالت وہاں ایسی اچھی نہیں جیسی کہ ہونی چاہئے اور اُس کے ساتھ پورا انصاف نہیں برتا جاتا۔

بٹائی وغیرہ کے متعلق جو جھگڑے ہیں میرے نزدیک وہ بھی بغیر اِس کے کہ شریعت کو توڑا جائے یا انصاف کو توڑا جائے طے کئے جا سکتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے ملک کے موجودہ زراعتی نظام کا تعلق ہے یہ بات ظاہر ہے اور اِس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نہری زمینوں کو چھوڑ کر بارانی زمینوں سے مزارع زمیندار ایسا گزارہ پیدا نہیں کر سکتا جس کو کہ انسانی زندگی کے معیار کے مطابق کہا جا سکے اِس لئے ایسی زمینوں کی پیداوار میں یقیناً مزارع کا حصہ موجودہ دستور سے زیادہ ہونا چاہیے۔ پنجاب میں مزارع زمیندار ہی سب معاملہ دیتا ہے بخلاف سندھ کے جہاں

سارا معاملہ مالک زمیندار دیتا ہے۔ پس اِس معاملہ میں مغربی پنجاب کی حالت درست کرنی نہایت ضروری ہے۔ لیکن اِس کا طریق یہ نہیں کہ ہم کوئی قانون بنائیں جس سے جبراً یہ اصلاح کریں۔ اِس کا طریق شرعی طور پر نکالا جاسکتا ہے بغیر اِس کے کہ قانونِ شریعت کو توڑا جائے۔ میری اپنی رائے یہ ہے کہ جو بھی تبدیلی ہو اُس میں معاملہ اور آبیانہ مزارع زمیندار کے ذمہ ڈالا جائے ورنہ بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ حکومت کو بھی معاملہ اور آبیانہ کی وصولی میں دقتیں ہوں گی اور مالک زمیندار کو بھی ناقابل برداشت نقصان پہنچے گا۔ پنجاب میں نمبرداری کا طریق رائج ہے اور گورنمنٹ کی طرف سے نمبردار ذمہ دار ہوتا ہے کہ سارے معاملہ کو وقت پر داخل کرے خواہ لوگوں نے وہ معاملہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ اور میرا تجربہ ہے کہ ہر سال سینکڑوں نمبردار ذلیل اور خوار ہو کر افسروں کی گالیاں سنتے ہیں اور بعض جیل خانے میں جاتے ہیں اِس وجہ سے کہ وہ وقت پر معاملہ نہیں دے سکے۔ اور جو بچ جاتے ہیں وہ بھی اِسی طرح بچتے ہیں کہ لوگوں سے قرض لے کر معاملہ ادا کر دیتے ہیں یا بیویوں کے زیور بیچ کر ادا کر دیتے ہیں۔ بعد میں بے شک گورنمنٹ بقائے کی وصولی میں اُن کی مدد کرتی ہے لیکن اصل سوال یہ ہے کہ وقت پر اُن کو روپیہ کہاں سے ملے۔ پس میرے نزدیک سب جگہ نہیں بعض جگہ حصہ مالک اور حصہ مزارع میں تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے۔ مزارع زمیندار کا حصہ یقیناً بڑھانے کی ضرورت ہے ورنہ وہ تندرستی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا نہ اُس کا خاندان انسانی وقار کو قائم رکھ سکتا ہے۔ مگر یہ فرق مختلف جگہوں پر الگ الگ ہے کوئی ایک قانون اِس فرق کو دُور نہیں کر سکتا۔ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تین چار من فی ایکڑ گندم کی پیدائش ہے، کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پندرہ سولہ من فی ایکڑ گندم کی پیدائش ہے اور کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پچیس چھبیس من فی ایکڑ گندم کی پیدائش ہے۔ میری مراد یہ نہیں کہ ہر ایکڑ کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے بلکہ میری مراد اُس اوسطاً پیداوار سے ہے جو پچاس ساٹھ یا سَو میل کے حلقہ میں ہوتی ہے۔ اِس فرق کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے پس کوئی ایک قانون یہ اصلاح نہیں کر سکتا۔ اس کے متعلق ماہرین کی ایک کمیٹی بٹھانی چاہئے جو مختلف علاقے پیداوار کے لحاظ سے تجویز کریں۔ جس کا یونٹ میرے نزدیک کم سے کم ایک تحصیل کے برابر ہو اور پیداوار کے لحاظ سے یہ تعیین کی جائے کہ یہاں کا مزارع زمیندار کتنی مزید آمد کا مستحق ہے۔ اِسی طرح باقی جنسوں کی پیداوار کے متعلق بھی غور کیا جائے۔ اس کے بعد ہر یونٹ

میں یعنی ہر ایسے حلقہ میں جس کی اوسط پیداوار دوسرے حلقہ سے مختلف ہو گئی ہے کمیٹیاں مقرر کی جائیں جو مالک زمیندار اور مزارع زمیندار کے سمجھوتہ کے ساتھ کسی فیصلہ کی کوشش کریں اور جو فیصلہ ہو جائے اس کے مطابق حصہ مقرر کر دیا جائے لیکن میرے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ مزارع کے حصہ میں گورنمنٹ کا معاملہ شامل ہو۔ مثلاً فرض کرو ایک جگہ پر نصف حصہ پیداوار کا مزارع زمیندار کا سمجھا جائے اور نصف حصہ مالک زمیندار کا۔ تو بجائے اِس کے کہ مالک کو نصف حصہ دِلوا کر معاملہ اُس سے وصول کیا جائے۔ اگر معاملہ کی شرح پندرہ فی صد سمجھی گئی ہے تو مالک کو ۳۵ فیصدی دلوایا جائے اور ۶۵ فیصدی مزارع کو دلوا کر معاملہ اور آبیانہ اس کے ذمہ ڈالا جائے۔ یا فرض کرو کسی علاقہ میں چالیس فیصدی مالک کو دلوانا مناسب ہوتا ہے اور فرض کرو معاملہ کی اوسط یہاں بھی پندرہ فیصدی تک پہنچتی ہے تو مالک کو ۲۵ فیصدی دلوایا جائے اور مزارع کو ۷۵ فیصدی دلوایا جائے لیکن معاملہ اور آبیانہ اُس پر ڈالا جائے۔ اگر معاملہ اور آبیانہ مزارعین کے اُوپر نہ ڈالا جائے گا تو وہ معاملہ اور آبیانہ ادا کرنے سے گریز کریں گے۔ گورنمنٹ مالک زمین کو قید کر سکتی ہے مگر وہاں سے روپیہ پیدا نہیں کر سکتی جہاں روپیہ موجود نہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا مناسب نہ ہو تو پھر حکومت دونوں فریق کے مشورہ سے کوئی اَور مناسب تدبیر تجویز کرے۔ گو یہ شریعت کا مسئلہ تو نہیں مگر جتنی احادیث یا آثار ہمیں ملتے ہیں اُن سے یہ پتہ لگتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ شرح مبادلہ مسلمانوں میں یہی رہی ہے کہ پیداوارِ زمین سے معاملہ اور آبیانہ کی رقم کو الگ کر کے جو باقی بچے وہ مالک اور مزارع میں نصف نصف کیا جائے۔ کئی اَور صورتیں بھی آئی ہیں لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اور جیسا کہ اوپر کی احادیث سے ثابت ہے اِس سے زیادہ سخت شرح مسلمانوں میں کوئی ملتی نہیں۔ پس جو بھی سمجھوتہ ہو اُس میں زمینداروں پر واضح کرنا چاہیے کہ اگر تم اسلامی طریق کو اختیار کرنا چاہتے ہو تو اسلامی ملائمت اور نرمی کو بھی اختیار کرو ورنہ منہ سے اسلام لانے کا کیا فائدہ؟

(۶) زمینوں کی حکومت کی طرف سے وقت پر نگہداشت نہ ہونا

میرے نزدیک زمینداروں کی حالت کی خرابی میں بہت بڑا دخل اس بات کا بھی ہے کہ گورنمنٹ کے محکمے زمینوں کی وقت پر

نگہداشت نہیں کرتے اور یہ خرابی پاکستان میں ہندوستان سے زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ خرابی ہمیشہ نہری زمینوں میں ہوتی ہے اور پاکستان کا نہری علاقہ نسبتی طور پر ہندوستان سے بہت زیادہ ہے۔ جہاں کہیں بھی نہریں جائیں گی لازماً وہاں کے کچھ علاقوں میں سیم شروع ہو جائے گا اور سائنس کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سیم کے متعلق نہر کھودنے سے بھی پہلے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کب شروع ہوگا۔ یہ اندازہ اکثر صورتوں میں صحیح ہوتا ہے۔ جب پنجاب میں نہریں کھودی گئیں یا سندھ میں نہریں کھودی گئیں تو ماہرین سائنس نے قبل از وقت بتادیا تھا کہ اتنے اتنے سال میں یہاں سیم شروع ہو جائے گی لیکن باوجود اس کے حکومت کی طرف سے اُس کا مقابلہ کرنے کی تیاری وقت پر نہ کی گئی۔ اوّل تو ایسی صورت میں نہریں بناتے وقت ایسی احتیاطیں کرنی چاہئیں کہ سیم یا تو پیدا نہ ہو یا کم سے کم پیدا ہو۔ لیکن اگر نہروں کے بنانے میں ایسی احتیاط کرنا بہت سے خرچ کو چاہتا ہو تو کم سے کم معالجاتی تدابیر تو فوراً شروع ہو جانی چاہئیں۔ لیکن نہ حفاظتی تدابیر کی جاتی ہیں اور نہ معالجاتی تدابیر کی جاتی ہیں یہاں تک کہ مرض آجاتا ہے بلکہ پھیل جاتا ہے۔ اگر وقت پر ان امور کا خیال نہ کیا جائے تو پھر یہ ناقابل حل مسئلہ بن جاتا ہے۔ میرے نزدیک زمینداروں کی حالت درست کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اِس سوال کی طرف پوری توجہ دی جائے۔

(۷) کاشت کے متعلق گورنمنٹ کی طرف سے زمینداروں کو صحیح راہنمائی نہ ملنا

میرے نزدیک زمینداروں کی غربت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے کاشت کے متعلق صحیح راہنمائی نہیں ہوتی اور اُن کے ساتھ صحیح تعاون نہیں ہوتا۔ محکمہ زراعت تو بن گیا ہے لیکن مختلف محکموں کا آپس میں تعاون کوئی نہیں۔ میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں جس سے ملک کو میرے نزدیک کروڑوں روپیہ کا نقصان پہنچا ہے اور وہ یہ ہے کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عام طور پر ایک ہی جگہ کا بیج استعمال کرتے رہنا فصل کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اچھی فصلوں کے لئے ضروری ہے کہ مختلف دوسری جگہوں سے بیج منگوا کر ڈالا جائے۔ سندھ کے متعلق تو یہ تجربہ خطرناک حد تک صحیح ثابت ہوا ہے۔ وہاں بیج بڑی جلدی خراب ہو جاتا ہے اور جب اُس میں

بیماری آتی ہے تو وہ عارضی بیماری نہیں ہوتی بلکہ مستقل بیماری ہوتی ہے اور ہر سال لگتی ہے۔

گزشتہ سالوں میں خوراک کے مہیا کرنے کی خاطر دوسری چیزوں کی نقل و حرکت پر پابندیاں لگائی گئی تھیں لیکن اگر سوچا جائے تو چند ہزار من کپاس کا بیج پنجاب سے بھجوا کر اگر سندھ کے اُن علاقوں کی اصلاح کر لی جاتی جن میں وہ بیج کامیاب ثابت ہوسکتا ہے تو ملک کو کروڑوں کروڑ روپیہ کا فائدہ پہنچتا اور چند ہزار من بنولہ بھجوانے سے خوراک کی تقسیم پر کوئی معتد بہ اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ خوراک کی نقل و حرکت کو درست رکھنا بے شک ایک نہایت اہم چیز تھی۔ لیکن دیکھنے والی بات یہ تھی کہ جو نقصان بنولے کے پنجاب سے سندھ جانے پر پہنچتا تھا اُس کے مقابلے میں اِس کا فائدہ کتنا بڑا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک لاکھ آدمی کو ایک مہینہ تک ایک پاؤ روٹی اُس سے کم ملتی جو وہ کھاتا تھا لیکن موجودہ صورت میں تو کروڑوں روپیہ کا نقصان ملک کو پہنچ گیا۔ پس یہ کوشش ہونی چاہیے کہ چونکہ زمیندارہ کا سوال ہمارے ملک کے لئے ایک نہایت ہی اہم سوال ہے کیونکہ ہماری زمین محدود اور ہماری آبادی خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت بڑھنے والی ہے اِس لئے اِس مسئلہ کو چوٹی کے مسئلوں میں سے سمجھ کر اِس مشکل کو حل کیا جائے۔

اِسی طرح یہ امر بھی مدنظر رکھنے والا ہے کہ بیجوں پر اِس نقطۂ نگاہ سے بھی غور کیا جائے کہ کلّر اور سیم میں کونسی اجناس پرورش پا سکتی ہیں یا بالکل پانی نہ دینے سے کونسی اجناس پرورش پاسکتی ہیں۔ یہ تین مسائل ہمارے لئے زراعت میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ یا تو ہمیں وہ بیج نکالنے پڑیں گے جو کلّر اور سیم میں پرورش پا سکتے ہیں اور یا ہمیں اِس بات کی طرف توجہ کرنی پڑے گی کہ ایسے بیج نکالیں جو بغیر پانی کے نشو ونما پا سکیں اور نہروں کو محدود کیا جائے تا کہ ہمارا ملک دلدل بن جانے سے بچ جائے ورنہ جس رنگ میں ہمارے ملک میں سیم بڑھ رہی ہے تیس پینتیس سال میں اِس رفتار کے ساتھ اُس کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ روپیہ پیدا کرنے والی فصلیں تو الگ رہیں اپنے ملک کے لئے خوراک مہیا کرنا بھی مشکل ہو جائے گا اور زمیندار ہاری کا سوال بالکل مٹ جائے گا سوال ہر پاکستانی کی روٹی کا پیدا ہو جائے گا۔

(۸) ملک کی اُفتادہ زمینوں کو قابلِ کاشت نہ بنانا

زمینداروں کی حالت درست کرنے کے لئے میرے نزدیک ملک کی اُفتادہ زمینوں کے صحیح استعمال کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اِس وقت گورنمنٹ کے پاس بہت سی زمینیں پڑی ہیں اور جو غیر مسلم زمینیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں اُن کا بھی بہت سا حصہ ابھی نکلوانے کے قابل ہے۔ اگر ان تینوں ذرائع سے زمین کو محفوظ کیا جائے یا قابلِ کاشت بنایا جائے تو ابھی سَو سال تک زمیندارہ سوال ہمارے لئے کوئی مشکل پیدا نہیں کرسکتا۔ اگر گورنمنٹ تحقیقات کرائے تو اُسے معلوم ہوگا کہ سندھ میں کئی لاکھ غیر پاکستانی زمیندارہ یا زمیندارہ مزدوری کررہا ہے۔ یہ لوگ بیکانیر، جیسلمیر، جودھ پور، جے پور، کچھ اور تھل کے علاقہ سے آتے ہیں اور مقاطعہ پر زمینیں لے کر کاشت کرتے ہیں یا زمیندارہ مزدوری کرتے ہیں۔ اگر سندھ میں زمیندارہ مشکلات پیدا ہوچکی ہیں تو اِن آدمیوں کو اُدھر سے بلوانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ آدمی جو زیادہ ہے اور جس کے لئے جگہ نکالنے کی ضرورت ہے وہ اُن لوگوں کی جگہ کام کرسکتا ہے۔ یہ لوگ جو اُدھر سے آتے ہیں بعض صورتوں میں بڑے منظّم ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں کانگرس کے مقرر کردہ افسر اُن کے ساتھ آتے ہیں۔ خطرہ کے وقت میں یہ لاکھوں کی آبادی نہایت ہی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ مگر اِس وقت تو میں کہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ اپنے ملک کی آبادی کے لئے گزارہ کی صورت نہ پیدا کی جائے اور غیر ملک کے لوگوں کو یہ موقع دیا جائے؟ اگر کہا جائے کہ ہمارے ملک میں اتنا آدمی نہیں کہ وہ یہ کام کرسکے تو میں کہوں گا کہ سندھ کے متعلق تو یہ بالکل درست ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ سندھ میں کوئی زمیندارہ سوال نہیں یہ سوال بناوٹی طور پر پیدا کیا جارہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ گورنمنٹ کی زمینیں جن میں نئی نہریں نکالی جارہی ہیں اُن کو فروخت نہ کیا جائے بلکہ صرف مقاطعہ پر دیا جائے اور سوادِ عراق کی مثال سے فائدہ اٹھایا جائے۔ میرے دل میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے خدا خیر کرے کہ (غلط ہو) کہ ہمارے بعض بڑے سیاسی لیڈر دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ابھی ہندوستان سے مسلمانوں کا کوئی اور ریلہ آنے والا ہے اور وہ ان تبدیلیوں سے اُن کے لئے جگہ نکالنا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ رائے اُن کی غلط ہے

اس بناء پر نہیں کہ ایسا ریلہ نہیں آسکتا بلکہ بعض دوسری وجوہ سے۔ مگر میں کہتا ہوں ایسے شبہات صحیح بھی ہوں تو وہ بیس تیس لاکھ ایکڑ اَور زمین جو سندھ میں نکلنے والی ہے اُس کو محفوظ رکھا جائے۔ اِسی طرح بلوچستان جس کی زمین آٹھ کروڑ ایکڑ کے قریب ہے اگر وہاں بند لگا کر پانی کے محفوظ کرنے کی تدبیریں کی جائیں تو کم سے کم ستّر اسّی لاکھ ایکڑ زمین تو بڑی آسانی کے ساتھ اور وہ بھی اعلیٰ درجہ کی زرخیز نکل سکتی ہے اور بھی بعض علاقے مغربی پاکستان میں ایسے ہیں جہاں سے نئی زمین پیدا کی جاسکتی ہے۔ اگر ایک مبصّرین کی کمیٹی اِس پر بیٹھے اور وہ ایک مستقل سکیم اِس کے متعلق تجویز کرے تو میری رائے میں ابھی ڈیڑھ کروڑ ایکڑ زمین تو مغربی پاکستان سے چند سال کے اندر پیدا کی جاسکتی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(۹) افسروں کی ناواجب لُوٹ کھسوٹ

ایک وجہ زمینداروں کی غربت کی یہ ہے کہ افسروں کی ناواجب لوٹ کھسوٹ کا وہ شکار رہتے ہیں۔ مزدور کو جو ناواجب تحفے دینے پڑتے ہیں اس سے زمیندار کو سَو گنے زیادہ دینا پڑتا ہے اور اپنی دماغی بناوٹ کی وجہ سے وہ بدقسمت یہ خیال کرتا ہے کہ افسروں کو کھلا کر اُس کی عزت بڑھ گئی ہے۔ یہ کافی بوجھ زمیندار پر ہے جس کا دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اب تک اِس نیم بر اعظم میں جو ہندوستان کہلاتا تھا اور اب پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم ہے یہ مرض چلتی چلی جارہی ہے اِس کا علاج کوئی نہیں ہوسکا۔ زمینداروں کی آمد کا کافی حصّہ پولیس اور تحصیل کے افسروں بلکہ مَیں نے تو دیکھا ہے کہ ٹیکہ لگانے والوں تک کی نذر ہوتا ہے اور وہ غریب اپنی سادگی میں اِن سب کو صاحب بہادر سمجھتے ہوئے اُن کی خاطر کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں اُسے کچھ زمین عطیہ کے طور پر عطا ہو جائے گی۔ یہ خواب وہ اور اُس کی اولاد دیکھتی چلی جاتی ہے اور گو وہ اور اُس کی نسل اس بات کو سمجھ لیتے ہیں کہ اِس کی کوئی تعبیر نہیں نکل رہی مگر پھر بھی اُن کا ایمان اِس بارہ میں متزلزل نہیں ہوتا۔

مجھے یاد ہے میں ایک دفعہ پنجاب کے ایک گاؤں میں گیا وہاں ایک زمیندار کے گھر میں ہم ٹھہرے اُس نے بڑی لمبی داستان سنائی کہ اُس نے گورنمنٹ کی بڑی بڑی خدمات کی ہیں مگر

ابھی تک اُسے کوئی مربع زمین کا عطا نہیں ہوا۔ حالانکہ اُس کے پاس حکام کے بڑے بڑے سرٹیفکیٹ بھی موجود ہیں۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کوئی بڑا سرٹیفکیٹ مجھے بھی تو دکھاؤ۔ اُس نے ٹین کا ایک لمبا بھبکا نکلوایا جو بڑی احتیاط سے رکھا ہوا تھا اور اُس میں سے ایک بڑا کاغذ مجھے دکھایا۔ جب میں نے اُس کو دیکھا تو اُس میں ٹیکہ لگانے والے ڈاکٹر نے یہ لکھا ہوا تھا کہ اس شخص نے طاعون کا ٹیکہ کرایا ہے ہم اس کی سند دیتے ہیں۔

اِسی طرح ایک شخص میرے پاس سفارش کے لئے آیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب مجھ سے کچھ خفا ہو گئے ہیں میری سفارش کریں۔ میں نے گورنمنٹ کی بڑی بڑی خدمات کی ہوئی ہیں اور اُس نے اپنے سرٹیفکیٹس کا رجسٹر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے جو سب سے آخری سندات تھیں اُنہی پر نظر ڈالی تو اُس وقت کے ڈپٹی کمشنر سے جو پہلے ڈپٹی کمشنر تھا اُس کا ایک سرٹیفکیٹ انگریزی میں لکھا ہوا میری نظر سے گزرا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ شخص ہر وقت افسروں کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور بڑی تکلیف کا موجب ثابت ہوتا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ اِس سرٹیفکیٹ کا مضمون یہ ہے تم نے جب موجودہ ڈپٹی کمشنر کو دکھایا ہوگا تو وہ ضرور تم سے بگڑا ہی ہوگا۔ اِس پر بے ساختہ طور پر اُس نے افسروں کو بُرا بھلا کہا کہ مجھے یہ شکار پر لے جاتے رہے ہیں، خاطریں مجھ سے کرواتے رہے ہیں اور لکھ یہ دیا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کیونکہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ زمیندار کی آمدن کا ایک کافی حصہ خود حکام کے پیٹوں میں جاتا ہے۔ اگر اس کو بچایا جائے تو اس سے بھی زمیندار کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ ذرا حکومت اپنے خفیہ سراغ رسانوں کو نہروں کے علاقہ میں بھیج کر دیکھے تو سہی کہ جو بہ دائیگی مزدوری بیگار اُن سے لی جاتی ہے حقیقتاً اُس میں سے کتنا حصہ زمیندار کو ادا کیا جاتا ہے۔ سوائے چند بااثر زمینداروں کے اور کسی کو بھی وہ حصہ نہیں ملتا صرف زمینداروں کے انگوٹھے اُس پر لگوا لئے جاتے ہیں۔

(۱۰) زمیندار کا طبعاً فخر و مباہات کا شکار ہونا

ایک وجہ زمیندار کی غربت کی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جبلی بہادری کی وجہ سے قربانی پر دلیر ہوتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی چندہ ہو زمیندار اپنی دولت کی نسبت سے کہیں زیادہ چندہ دے گا جو تاجر سے پانچ چھ گنا زیادہ ہوگا۔ اسی طرح

شادی بیاہ پر تو بہت زیادہ روپیہ خرچ کر دے گا۔ یہ چیز اُسے مقروض کر دیتی ہے اور لازماً اس کی آمد کا ایک حصہ قرضہ کا منافع ادا کرنے میں خرچ ہو جاتا ہے۔

(۱۱) مقدمہ بازی

ایک مصیبت زمیندار کو غریب کرنے والی اُس کا مقدمہ بازی کا شوق ہے۔ یہ مرض اب تک زمینداروں سے نہیں گئی۔ معمولی معمولی لڑائیاں اور معمولی معمولی جھگڑے جن کو غیر ملک کے لوگ ہنس کر ٹال دیتے ہیں ہمارا زمیندار عدالت میں لے جائے بغیر اُن کو طے کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور پولیس اور وکلاء اِس میں اُس کو شہہ دیتے ہیں کیونکہ ایک کی کارگزاری اور ایک کی آمد اُس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ حکومت کو ایسے ذرائع نکالنے چاہئیں جن سے یہ مقدّمہ بازی ختم ہو۔ ہمارے ملک میں تو عدالتوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ یورپ میں اتنی عدالتیں نہیں ہوا کرتیں بالعموم آنریری مجسٹریٹوں سے ہی اُن کے کام چل جاتے ہیں اور چند ملازم مجسٹریٹ ملک کا دورہ کر کے سارے ملک کے مقدمات بھگتا دیتے ہیں مگر ہمارے ملک میں تو مجسٹریٹوں اور افسروں کی ایک فوج ہے جس کی مثال دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں پائی جاتی۔ انگریز کو تو اِس کی ضرورت تھی کیونکہ وہ غیر ملکی تھا اور یہاں کے امن کے قیام کے لئے اُس کو غیر طبعی ذرائع اختیار کرنے پڑتے تھے لیکن پاکستان یہی کام لوگوں کی تربیت کے ذریعہ سے کر سکتا ہے۔ صحیح طور پر عوام الناس کی تربیت کی جائے تو مقدمات بھی کم ہو جائیں گے، جھگڑے بھی کم ہو جائیں گے اور پھر پولیس اور مجسٹریٹی بھی کم ہو جائے گی، گورنمنٹ کا روپیہ بھی بچ جائے گا اور زمیندار کا روپیہ بھی بچ جائے گا۔

(۱۲) روپے کا بوقتِ ضرورت مہیّا نہ ہوسکنا

ایک بڑی دِقّت زمیندار کیلئے ضرورت کے موقع پر روپیہ کا نہ پہنچنا ہے۔ انگریزی زمانہ کے آخری دَور میں کوآپریٹو سوسائٹیز بنی تھیں مگر اُن کا دائرہ عمل بہت محدود تھا اور زیادہ تر چند افراد کو فائدہ پہنچانے کا موجب ہوتی تھیں۔ پھر اُن میں سُودی کاروبار ہوتا تھا جو اسلام میں ناجائز ہے اور سُود بھی بڑا سخت ہوتا تھا۔ میرے نزدیک اگر کوآپریٹو سوسائٹیز بنائی جائیں اور اُن کو تجارتی اصول پر چلایا جائے بجائے سُودی اصول کے

اور گورنمنٹ کی مدد ایک حد تک روپے یا اجناس کی وصولی میں ہو تو زمیندار کو وقت پر روپیہ سہولت سے مل سکے گا اور کئی کام جن کے لئے اب وہ مالک زمیندار کی طرف متوجہ ہونے کا محتاج ہوتا ہے اور اِس طرح اُس کی جان اُس کے قابو میں آجاتی ہے وہ تعاونِ باہمی کی انجمنوں سے اپنی ضروریات کو پورا کر سکے گا۔

میں نے یہ چند باتیں مثال کے طور پر زمینداروں کی حالت کی درستی کے لئے پیش کی ہیں اور میرے نزدیک یہی طبعی ذرائع ہیں۔ غیر طبعی ذرائع اختیار کر کے کبھی کوئی حکومت یا قوم کامیاب نہیں ہوسکتی اور غیر شرعی ذرائع استعمال کر کے تو اگلے جہان میں بھی کوئی قوم سرخرو نہیں ہوسکتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اور بہت سے ذرائع ایسے اختیار کئے جاسکتے ہیں جن سے زمینداروں کی حالت کو درست کیا جاسکے مگر ایسا حکومت اور پبلک کے تعاون سے ہی ہوسکتا ہے۔ اور اِسی کی طرف میرے نزدیک حکومت کو توجہ کرنی چاہیے نہ کہ اُن غیر طبعی تجاویز کی طرف جو اُس کو ایسی مشکلات میں اُلجھا دیں گی کہ وہ کمیونزم کے حملہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت کھو بیٹھے گی اور جس چیز کو وہ علاج سمجھتی ہے وہی اُس کے لئے مرض بن جائے گا۔

آخر میں مَیں بڑے زمینداروں کو بھی اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلاتا ہوں اسلام کی بنیاد اخوت اور رحم پر ہے اُن کے اپنے بھائیوں کی مشکلات کے حل کرنے میں سیاسی لیڈروں سے زیادہ کوشاں ہونا چاہئے۔ اگر وہ غریب زمیندار کی مدد خود خوشی سے کریں گے اور ایسے قوانین کے بنانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں گے جن سے ظلم دور ہو جائے اور اُن کا غریب بھائی آرام سے زندگی بسر کرے تو یہ بات دین اور دُنیا دونوں میں اُن کے لئے عزّت اور آرام کا موجب ہوگی اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے سُرخرو جاسکیں گے۔ ورنہ وہ سمجھ لیں کہ اگر حکومت اسلامی احکام کے ادب سے کوئی جابرانہ قانون نہ بھی بنائے تو بھی خدائی عذاب سے اُن کو دوچار ہونا پڑے گا اور کوئی چیز بھی اِس سے اُن کو نہ بچا سکے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

۱؎ بخاری کتاب مناقب الانصار باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه الی المدینة

۲؎ السیرة الحلبیة جلد۱ صفحہ۳۹۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

۳؎ الانعام: ۹۱

۴؎ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورة البقرة باب قوله سیقول السفهاء

۵؎ السجدة: ۵ ۶؎ یونس: ۴ ۷؎ البقرة: ۳۰

۸؎ الزخرف: ۱۴

۹؎ اقرب الموارد جلد ا صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۱۰؎ النحل: ۱۴ ۱۱؎ الجاثیة: ۱۴

۱۲، ۱۳؎ حجة الله البالغة جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ دمشق صفحہ ۱۳۵۵ھ

۱۴؎ ابوداؤد کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین

۱۵؎ ھدایه کتاب احیاء الاموات صفحہ ۴۶۲

۱۶؎ بخاری کتاب اللقطة باب اذالم یوجد صاحب اللقطة (الخ)

۱۷؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ

۱۸؎ ابوداؤد کتاب الاجارة باب فی منع الماء

۱۹؎ مغنی مؤلفہ علامہ ابن قدامہ جلد ۶ صفحہ ۱۵۷

۲۰؎ البقرة: ۳۶ ۲۱؎ الکھف: ۴۰، ۴۱ ۲۲؎ ابراھیم: ۱۵

۲۳؎ وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنوا الارض (بنی اسرائیل: ۱۰۵)

۲۴؎ سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین

۲۵، ۲۶؎ بخاری کتاب المزارعة باب من احی ارضًا مواتًا (الخ)

۲۷؎ کتاب بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳ مطبوعہ مصر

۲۸، ۲۹؎ الاحکام السلطانیه صفحہ ۱۵۹

۳۰؎ بخاری کتاب المناقب باب مقدم النبی ﷺ واصحابه الی المدینة

۳۱؎ کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۱۹۱

۳۲؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۵ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

۳۳؎ سنن ابی داؤد کتاب الخراج باب ماجاء فی حکم ارض خیبر (مفہوماً)

۳۴؎ سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی الخرص
۳۵؎ فتوح البلدان البلاذری صفحہ ۴۵ مطبوعہ ازہر ۱۹۳۲ء
۳۶؎ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۶۹
۳۷؎ الارتسامات لامیر سکیب ارسلان صفحہ ۱۱۵
۳۸؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۳۹؎ سنن ابی داؤد کتاب الخراج۔باب فی اقطاع الارضین (مفہوماً)
۴۰؎ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۶۸
۴۱؎ سنن ابی داؤد۔کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین
۴۲؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۴ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۴۳؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۴۴؎ بخاری کتاب المزارعة باب المزارعة مع الیهود+ بخاری کتاب المزارعة باب اذا لم لیشترط السنین فی المزارعة
۴۵؎ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۸
۴۶؎ بخاری کتاب المزارعة باب المزارعة بالشطر
۴۷؎ مبسوط جلد ۳ کتاب المزارعة
۴۸؎ بخاری کتاب المزارعة باب اذا قال اکفنی (الخ)
۴۹، ۵۰؎ فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳
۵۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۵۱ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۵۲؎ اعلام الموقعین جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ دھلی ۱۳۱۴ھ
۵۳؎ حجة الله البالغة جلد ۲ صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ دمشق ۱۳۵۵ھ
۵۴؎ نووی جلد ۲ صفحہ ۱۴
۵۵؎ مبسوط کتاب المزارعة جلد ۲۳
۵۶؎ مبسوط کتاب المزارعة جلد ۲۳

۵۷؎ نووی جلد ۲ صفحہ ۱۱۴ اور فقه على مذاهب الاربعه جلد ۳ صفحہ ۳

۵۸؎ کتاب الفقه و بداية المجتهد و مدونه جلد ۳ صفحہ ۴۶۸

۵۹؎ کتاب الفقه جلد ۳ صفحہ ۳ وبداية المجتهد جلد ۳ صفحہ ۸۳

۶۰؎ بداية المجتهد جلد ۲ صفحہ ۱۸۳

۶۱؎ ابوداؤد كتاب البيوع باب فی زرع الارض بغير اذن صاحبها

۶۲؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ

۶۳؎ الاحكام الاسلاميه صفحہ ۱۶۹

۶۴؎ سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۲۶

A-۶۴؎ **(BAYBARS)** بیبرس اوّل: الملک الظاہر رکن الدین الصالحی (۱۲۳۳ء۔۱۲۷۷ء) مصر کے بحری مملوکوں میں سے چوتھا سلطان۔ عہد حکومت (۱۲۶۰ء۔۱۲۷۷ء) یہ قبچاقی ترک تھا جسے بعض دوسرے افراد کے ساتھ سلطان نجم الدین ایوبی نے بطور غلام خریدا۔ ۱۲۳۹ء میں وہ مصری فوج کے ساتھ شام گیا اور ابتدائی جنگی تجربات حاصل کئے۔ پھر اس نے جنگ منصورہ ۱۲۵۱ء میں نمایاں خدمات انجام دیں جس میں شاہِ فرانس گرفتار ہوا اور چار سال اسیری میں گزارے۔

بیبرس کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے سیف الدین قطز کے ماتحت جالوت کی جنگ میں ۱۲۶۰ء میں تاتاریوں کو خوفناک شکست دی۔ قطز مارا گیا اور بیبرس مصر کا سلطان بن گیا۔ اسے حکمرانی کے لئے صرف سترہ سال کی مہلت ملی لیکن اس مختصر سی مدت میں اس نے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیے وہ دوسروں کی طویل المیعاد حکومتوں میں بھی کم نظر آتے ہیں۔ اُس وقت مصر کے لئے تین بڑے خطرے تھے۔ اوّل صلیبی مہم جو، دوم تاتاری، سوم حشیشی۔ بیبرس نے تاتاریوں کو ۹ مرتبہ شکستیں دیں۔ تین مرتبہ حشیشیوں پر حملے کئے۔ پانچ مرتبہ وہ ازمنوں سے لڑا اور ۲۱ مرتبہ صلیبیوں کو بُری طرح تباہ کیا۔ ۱۵ زبردست لڑائیوں میں وہ خود فوجوں کی کمان کرتا رہا اور ہمیشہ خطرے کے مقام پر سب سے آگے رہتا۔ دشمنوں کی سرکوبی کے لئے کم از کم ۲۶ مرتبہ دارالحکومت سے باہر گیا۔ پھر خبروں کا انتظام اِس اعلیٰ پیمانے پر کیا کہ اسے جلد سے جلد دُور افتادہ علاقوں سے اہم اطلاعات مل جاتی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو فاش

شکستیں دی تھیں مگر کام ادھورا رہ گیا تھا۔ بیبرس نے انہیں بالکل ختم کر دیا۔ وہی تھا جس نے عباسی خاندان کے ایک شہزادے کو قاہرہ میں خلیفہ بنا کر مسند خلافت از سرِنو قائم کر دی اور خلفائے عباسیہ کا یہ نیا سلسلہ ۱۶۱۵ء تک قائم رہا۔ اس طرح بیبرس کو موقع مل گیا کہ حرمین شریفین کو اپنی نگرانی میں لے کر ان مقدس مقامات کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے۔ بیبرس نے دمشق میں وفات پائی۔ (اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ا صفحہ ۲۸۵ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۶۵ بخاری کتاب المزارعة باب اذا قال رب الارض (الخ)

۶۶ مناقب امام الاعظم الکروری جلد ۲ صفحہ ۲۳، ۱۹۰

۶۷، ۶۸ کتاب الخراج صفحہ ۴۳ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ

۶۹ نسائی کتاب المزارعة باب ذکر اختلاف الالفاظ المأثورة فی المزارعة

۷۰ اعلام الموقعین جلد ا صفحہ ۲۸۳

۷۱ حم السجدة: ۱۰، ۱۱ ۷۲ النحل: ۷۲

۷۳ ترمذی ابواب الاحکام باب من المزارعة+ بخاری باب المزارعة

۷۴ ابوداؤد کتاب البیوع باب فی التشدید فی ذٰلک

۷۵ بخاری کتاب المزارعة باب ماکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یواسی بعضهم بعضا (الخ)

۷۶ مسلم کتاب البیوع باب کراء الارض

۷۷ بخاری کتاب المزارعة باب ماکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یواسی بعضهم بعضا (الخ)

۷۸ سیل الجراد لعلامه شوکانی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

۷۹ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۵

۸۰ سیل الجراد لعلامه شوکافی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

۸۱ مسلم کتاب البیوع باب کراء الارض بالذهب والورق

۸۲ ابوداؤد کتاب البیوع باب فی المزارعة

۸۳ طاوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۷

۸۴ ابوداؤد کتاب البیوع باب فی المزارعة+ طحاوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۷

۸۵ محلّٰی ابن حزم کتاب المزارعة
۸۶ مبسوط جلد ۲۳ کتاب المزارعة
۸۷ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۰
۸۸ حجة الله البالغة جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ دمشق ۱۳۵۵ھ
۸۹ طحاوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۹
۹۰ سیل الجراد جلد ۲ صفحہ ۲۱۱
۹۱ ھدایةالمجتھد جلد ۲ صفحہ ۱۸۴
۹۲ ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۵۷
۹۳ بخاری کتاب العلم باب تحریض النبی ﷺ وفد عبدالقیس (الخ)
۹۴ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۹۵ مولانا عبیداللہ سندھی بحوالہ رپورٹ اقلیت زمیندارہ کمیٹی مقررہ سندھ گورنمنٹ
۹۶ طحاوی جلد ۴ صفحہ ۱۳۰
۹۷ نووی جلد ۲ صفحہ ۱۴
۹۸ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۳۲۵
۹۹ فتاوی عزیزی مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۴۶، ۴۷
۱۰۰ کتاب الخراج صفحہ ۱۴ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۱۰۱ کتاب الخراج صفحہ ۱۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ
۱۰۲ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۲
۱۰۳ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۵
۱۰۴ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۶
۱۰۵ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۷
۱۰۶ ردّالمختار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۵۲
۱۰۷ اقلیتی رپورٹ سندھ گورنمنٹ زراعتی کمیٹی

۱۰۸؎ بخاری کتاب المزارعة باب مایحذر من عواقب الاشتغال (الخ)

۱۰۹؎ مبسوط جلد۱۰ صفحہ ۸۳

۱۱۰؎ مبسوط جلد۱۰ صفحہ ۸۳

۱۱۱؎ حجة الله البالغة جلد۲ صفحہ ۱۷۳

۱۱۲؎ عینی شرح بخاری جلد۵ صفحہ ۱۲۷

۱۱۳؎، ۱۱۴؎ البقرة: ۶۲

۱۱۵؎ فقه حنفیه۔ کتاب المعاملات جلد ۱ صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۳ مطبوعہ مصر ۱۹۲۳ء